اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

فروری ۲۰۱۸ء

ماہنامہ

# البرہان

لاہور

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ماہنامہ **البرہان** لاہور

جلد ۲۲، شمارہ ۲، فروری ۲۰۱۸ء/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ

# مشمولات

**○فکر و نظر**

انتہا پسند کون؟ — مدیر — ۴

**○تعلیم و تربیت**

- تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت کا لائحہ عمل — ڈاکٹر محمد امین — ۵
- بچوں کی جنسی تعلیم — ۱۵
- جنسی تعلیم کی آڑ میں گھناؤنی سازش — انصار عباسی — ۱۶
- دائرہ ہائے تحقیق: اسلامی و عمرانی علوم میں تحقیق — مدیر — ۱۹
اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ و طلبہ، سکالرز اور علماء کرام کے لیے

**○اسلام اور پاکستان**

- آئی ایس آئی چیف کے نام خط — ڈاکٹر محمد امین — ۲۹
- سانحۂ قصور: بنیادی حقائق سے اغماض — ۳۳
- ملکی سیاست سے اخلاقیات کی رخصتی — پروفیسر عاصم حفیظ — ۳۶

**○فہم دین**

جاوید احمد غامدی: شخصیت اور فکر۔ذاتی مشاہدات — سمیع اللہ بٹ — ۳۷

**○دریچے**

پڑھتا جا شرماتا جا — 'نقیب سحر' — ۴۶

**○استفسارات**

علماء کرام سے رہنمائی کی درخواست — مدیر — ۴۷

**○مطالعۂ کتاب**

علامہ شبلی نعمانی کی 'علم الکلام اور الکلام' — حبیب احمد — ۵۰

فکرونظر

# انتہا پسند کون؟

❁ 'تحریک لبیک' کے فیض آباد دھرنے پر سپریم کورٹ کے سوموٹو ایکشن کیس میں جناب فاضل جج صاحب نے ریمارکس دیے ہیں کہ یہ دھرنا عوام کے ایک طبقے کی دوسرے کے خلاف جنگ تھی۔ہم 'تحریک لبیک' والوں کے حامی نہیں ہیں....لیکن محترم جسٹس صاحب کے ریمارکس پڑھ کر اس سوچ میں پڑ گئے ہیں کہ انتہا پسند کون ہے؟

❁ ہماری سیکولر اور لبرل انتظامیہ جس نے اسلام آباد،فیض آباد اور لاہور کے دھرنوں اور ساری دینی جماعتوں کے پرزور احتجاج کے باوجود نہ راجہ ظفر الحق رپورٹ جاری کی، نہ رانا ثناء اللہ کو فارغ کیا اور نہ ختم نبوت کے حلف میں تبدیلی کرنے والے کی نشاندہی کی اور نہ اسے کوئی سزا دی۔ **یا**

❁ ہماری سیکولر اور لبرل عدلیہ: اسلام آباد ہائی کورٹ جس نے یہ حکم تو دیا کہ فلاں تاریخ تک دھرنا ختم کیا جائے خواہ قوت ہی کیوں نہ استعمال نہ کرنا پڑے....لیکن انتظامیہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ اتنے دنوں میں ختم نبوت کا حلف ختم کرنے والے کا تعین کرواور اسے سزا دو.... اور نہ خود یہ کام کیا۔

اور سپریم کورٹ آف پاکستان جس نے دھرنے کے خلاف سوموٹو ایکشن لیا اور یہ ریمارکس دیے کہ فیض آباد دھرنا عوام کے ایک طبقے کی دوسرے کے خلاف جنگ (سول وار) تھی۔ **یا**

❁ ہماری اسٹیبلشمنٹ جس نے دھرنا ختم کرنے میں تو انتظامیہ کی مدد کی لیکن انتظامیہ کو مجبور نہ کیا کہ وہ اس مسئلے کے پیدا ہوتے ہی اسے ختم کر دیتی یا اب ہی اسے ختم کر دے۔ **یا**

❁ ہمارے ملک کی دینی قوتیں جنہوں نے مطالبہ کیا کہ ختم نبوت پر عوام کے اجماعی عقیدے کے خلاف جس نے سازش کی ہے،اس کا تعین کیا جائے اور اسے سزا دی جائے لیکن ان کی بات پر کسی نے کان نہ دھرا۔انہوں نے احتجاج کیا،دھرنے دیے لیکن ان کی بات نہ سنی گئی۔پھر بے گناہ لوگ قتل ہوئے،فوج آئی اور دھرنا ختم کرایا لیکن اس کے باوجود انتظامیہ نے آج تک دینی جماعتوں کا مطالبہ نہیں مانا۔

❁ سوال یہ ہے کہ انتہا پسند کون ہے؟

تعلیم و تربیت　　ڈاکٹر محمد امین

# تعلیمی اداروں میں تعمیرِ سیرت (آخری قسط)

* طلبہ کی تعمیرِ سیرت میں استاد اہم کردار ادا کرتا ہے
* طلبہ کی تعمیرِ سیرت سے پہلے استاد کا اپنا تزکیۂ نفس ہونا ضروری ہے
* اساتذہ اور طلبہ کی تعمیر سیرت کا لائحہ عمل

## نفس کا تزکیہ کس طرح ہوتا ہے؟

### اپنا تزکیہ

۱۔ اگر ایک مسلمان معاشرے میں مروج معروفات (جیسے صدق، امانت، بہادری، خندہ روئی، سخاوت، غریبوں محتاجوں سے حسن سلوک، مہمان نوازی وغیرہ) پر عمل کرے تو اس کا کچھ نہ کچھ تزکیہ ہوتا رہتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو بعثت سے پہلے بھی صادق و امین کہا جاتا تھا اور جیسا کہ ہم نے سطورِ باسبق میں حضرت عمرؓ اور ابوجہل کی مثال دی ہے۔

اسی طرح ایک مسلما کی تربیت اگر اچھے ماحول میں ہوئی ہو اور وہ اسلامی تعلیمات پر کماحقہ عمل کرے اور ان اعمال کے مطلوبہ نتائج مرتب ہو رہے ہوں تو اس کے نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ اسی بات کو ہم یوں کہتے ہیں کہ تزکیۂ نفس کے لیے قرآن وسنت کافی ہیں کیونکہ جو شخص قرآن وسنت کے احکام پر کماحقہ عمل کرتا ہے اور ان کے مطلوبہ شرعی نتائج اسے حاصل ہو رہے ہوں تو وہ لازماً طبع سلیم کا حامل ہوتا ہے، وہ معصیت سے بچا ہوا ہوتا ہے اور مزید کوشش سے درجۂ احسان وکمال کو پہنچ سکتا ہے لہٰذا اسے اصولاً تصوف اور بیرونی مدد یعنی کسی مربی ومزکی کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۲۔ لیکن اگر کوئی شخص بڑی حد تک شرعی احکام پر عمل کر رہا ہو لیکن اسے مطلوبہ شرعی نتائج حاصل نہ ہو رہے ہوں تو اگر وہ بنیادی طور پر طبعِ سلیم، دین کا ضروری علم اور اصلاح نفس کی سنجیدہ خواہش رکھتا ہو تو وہ تلاوتِ قرآن اور مطالعۂ قرآن سے، نبی کریم ﷺ کی احادیث اور سیرت طیبہ کے مطالعے سے، صحابہ کرامؓ اور اسلاف کے حالات پڑھتے رہنے سے، کثرت ذکر سے، مربیوں، مزکیوں کے سوانح اور ان کے علم وتجربات کے مطالعے سے اور

عمومی نیک صحبت سے اپنی دینی کمی، ان شاء اللہ، خود پوری کر سکتا ہے۔

۳۔ لیکن اگر کوئی مسلمان معصیت میں مبتلا ہو، دینی احکام پر عمل کرنے میں اس سے کوتاہی سرزد ہو رہی ہو یا وہ برے بھلے انداز میں، حسب مقدرت، دینی تعلیمات پر عمل تو کر رہا ہو لیکن اسے ان سے مطلوبہ شرعی نتائج نہ حاصل ہو رہے ہوں اور وہ مطالعۂ قرآن وسیرتِ طیبہ اور صحابہ واسلاف کے سوانح کے مطالعہ پر قادر نہ ہو یا اس مطالعے کے باوجود وہ اپنے اندر مثبت تبدیلی نہ پیدا کر پائے تو پھر مجبوراً اسے بیرونی مدد لینی پڑے گی اور اسے کسی ایسے موزوں مزکی ومربی کے پاس جانا پڑے گا جو تزکیۂ نفس میں اس کی رہنمائی اور مدد کر سکے تا کہ وہ کما حقہ دینی احکام پر عمل کر سکے.... بلکہ اسے ضرور ہی ایسا موزوں مزکی ومربی تلاش کرنا چاہیے جو تزکیۂ نفس میں اور دینی احکام پر کما حقہ عمل کرنے میں اس کی مدد کرے کیونکہ دینی احکام پر عمل نہ کرنا یا نہ کر سکنا آخرت میں ناکامی کی صریح نشانی اور دلیل ہے۔لہٰذا ایک مسلمان کے لیے یہ بہت اہم معاملہ ہے بلکہ ایک حساس مسلمان کے لیے یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے کیونکہ اسی پر اس کی آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مسلمان اکثر تعلیماتِ قرآن وسنت پر عمل پیرا ہو اور اسے مطلوبہ شرعی نتائج بھی حاصل ہو رہے ہوں جو عموماً شرعی فرائض وواجبات پر عمل کرنے سے حاصل ہو جاتے ہیں تو یہ کیفیت اس کی نجات کے لیے کافی ہوتی ہے۔لیکن اگر وہ درجہ احسان وکمال کا متمنی ہو اور اس کے لیے درکار ضروری اعمال بھی وہ بجا لائے جیسے کثرتِ ذکر، کثرتِ نوافل، کثرتِ تلاوت.... وغیرہ لیکن اپنی ان کوششوں کے باوجود اگر وہ درجۂ احسان حاصل نہ کر سکے تو ایسے شخص کے لیے بھی مناسب یہی ہے کہ وہ موزوں مزکی ومربی سے مدد لے تا کہ وہ درجۂ احسان حاصل کر سکے۔

## دوسروں کا تزکیہ

۱۔ دوسروں کا تزکیہ صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہوں:

i۔ اپنی اصلاح اور اپنا تزکیہ بڑی حد تک کر چکا ہو اور دینی تعلیمات پر بخوبی کاربند ہو۔

ii۔ وہ دین کا ضروری علم رکھتا ہو۔

iii۔ اسے دوسروں کے تزکیے کا فن آتا ہو۔

دوسروں کا تزکیہ کرنا ایک باقاعدہ فن اور سائنس ہے جسے تصوف کی اصطلاح میں 'سلوک' کہتے ہیں یعنی Science of Behaviour یا اسے وضاحت کے طور پر Science of Behavioural Change کہا جا سکتا ہے یعنی دوسرے فرد کو تبدیل کیسے کیا جائے؟ اس کی فکر و عمل کو، اس کے ذہن و قلب کو اور اس کے رویوں اور عادات کو کیسے بدلا جائے؟ یہ چیز بنیادی طور پر علم النفس یا نفسیات (Psychology) کا موضوع ہے۔ لہٰذا مربی ومزکی کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفسیات/علم النفس کا ماہر ہو اور لوگوں کے Mind Set اور ان کے فکری و عملی رویوں کو سمجھتا ہو۔ اس کا ہدف یہ ہوتا ہے کہ تزکیے کے خواہش مند شخص کی تعمیر شخصیت صحیح خطوط پر ہو اور اس میں جو رکاوٹیں ہوں انہیں دور کیا جائے۔ یہ ایک طرح کا معالجۂ نفس ہے اور جس طرح جسمانی علاج کے لیے معالج کا طب کے فن کا باقاعدہ علم اور تجربہ رکھنا ضروری ہے اسی طرح یہ معالجِ نفس کے لیے بھی ضروری ہے۔ اس لحاظ سے ہم سمجھتے ہیں کہ آج صرف وہی شخص کامیاب مربیّ ومزکیّ ہو سکتا ہے جو ایک طرف تزکیے و تصوف کی مسلم روایت کا شناور ہو کیونکہ جب ہم کہتے ہیں کہ تزکیہ ایک فن اور سائنس ہے تو یہ عملاً ہے۔ اس کے باقاعدہ مکاتب فکر ہیں۔ جو تزکیے کی چار اہم اپروچز کے مظہر ہیں (انہیں تصوف کے چار سلاسل کہا جاتا ہے) جو تخلیقی تحقیق، اجتہادی سوچ اور طویل تجربات پر مبنی ہیں۔ اس لیے جو مربی تزکیے میں محقق صوفیا اور اسلاف کے علم و تجربے کا وارث نہیں ہے، اس کا ناقص ہونا یقینی ہے۔ اسی طرح آج کا انسان، خواہ وہ کسی بھی معاشرے کا فرد ہو، عصر حاضر کی غالب فکر و تہذیب (یعنی مغربی فکر و تہذیب) کے اثرات سے بچ نہیں سکتا بلکہ غالب امر یہ ہے کہ آج کے ہر انسان کے فکری و تہذیبی رویے مغربی فکر و تہذیب پر مبنی ہیں یا بڑی حد تک اس سے متاثر ہیں لہٰذا آج کا مربی اگر مغربی فکر و تہذیب، مغربی نفسیات اور مغربی فلسفے سے واقف نہیں ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ناقص مربی ہے۔ خلاصہ یہ کہ آج کے مربی کو تزکیے کی قدیم و جدید روایت دونوں کا امین ہونا چاہیے۔

iv۔ ضروری ہے کہ وہ تصوف میں در آنے والی خرابیوں اور غیر اسلامی رسوم و رواج کا تارک ہو جیسے مریدین سے پیسے لینا، ان سے مبالغے پر مبنی تعظیم کروانا ان سے دنیوی مفادات سمیٹنا....وغیرہ۔

v۔ وہ لوگوں کا تزکیہ کرنے میں مخلص ہو۔ یہ اس کا کاروبار نہ ہو، بلکہ وہ اسے ایک دینی ذمہ داری سمجھ کر ادا کرے۔

vi۔ وہ دوسروں کا تزکیہ کرتے ہوئے عُجب اور تکبر کا شکار نہ ہو جائے کیونکہ طالبانِ تزکیہ کو اگر اس سے نفع ہو تو ان کے دل میں اس کے لیے محبت اور احترام کے جذبات پیدا ہونا فطری بات ہے لیکن مربی کو شیطان کی چالوں سے بچنا چاہیے اور خود کو بڑی توپ شے سمجھنے کی بجائے عجز اور بندگی پہ قانع رہنا چاہیے۔

۲۔مربی کو طالبان تزکیہ کی مدد اور معالجہ کرتے وقت مندرجہ ذیل پہلوؤں کا خیال رکھنا چاہیے:

i۔ وہ طالبان تزکیہ کو کوئی ایسی تعلیم نہ دے جو خلاف شریعت ہو۔

ii۔ وہ طالبان تزکیہ کے طبائع کا خیال رکھے کیونکہ بعض طبیعتیں پیار محبت اور ترغیب کا اثر قبول کرتی ہیں اور بعض ترہیب اور خوف وخشیت کا۔بعض لوگ انفرادی اصلاح کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض اجتماعی امور کی طرف مائل۔بعض لوگ عبادات کا ذوق رکھتے ہیں اور بعض اجتماعی اصلاح کا....وغیرہ۔

iii۔ سب طالبانِ تزکیہ کے لیے ایک ہی فارمولا کارآمد نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر فرد اپنی مخصوص شخصیت اور احوال رکھتا ہے اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکا جاسکتا بلکہ ہر شخص کا علاج اس کی انفرادی حیثیت کے پیش نظر کیا جانا چاہیے اور ایک جنیرک (Generic) فارمولا سب پر لاگو نہیں کیا جاسکتا۔

iv۔ مربی کو طالب تزکیہ کی جنس،عمر،تعلیم،ماحول،مشاغل،علم،سماجی حیثیت....کا لحاظ رکھتے ہوئے تزکیہ کرنا چاہیے کیونکہ عورتوں کا مزاج و ماحول مردوں سے مختلف ہوتا ہے۔عالم اور جاہل ایک جیسے نہیں ہوتے،بچوں،نوجوانوں اور بوڑھوں کی نفسیاتی کیفیت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔خادم اور آقا کی سماجی اور فکری حیثیت کو پیش نظر بھی رکھنا ضروری ہے۔وغیرہ۔

v۔ یہ مربی کے لیے عمومی صفات اور طریق کار تھا جہاں تک مربی/معلم کے اس کے تلامذہ کے تزکیہ کا تعلق ہے تو وہ ایک مخصوص معاملہ ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۳۔ طالب تزکیہ کو مزکی کے پاس جا کر تزکیہ کراتے وقت مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا

چاہیے:

i۔ اس کے پیش نظر صرف تزکیۂ نفس کا حصول ہونا چاہیے تا کہ وہ احسن طریقے سے احکام شریعت پر عمل کر سکے۔

ii۔ اگر چہ کسی بھی نیک آدمی سے دعا کی درخواست کرنے میں کوئی ہرج نہیں تاہم تزکیہ کرانے کی بجائے ہر وقت دنیاوی مسائل میں الجھے رہنا اور اس کے لیے مربی ومزکی سے تعویز مانگنا یا سفارش کرانا یا دعا کی درخواست کرتے رہنا مناسب نہیں۔

iii۔ بزرگوں کی تعظیم اور محبت میں ایسا غلو جو احکامِ شریعت کے خلاف ہو، غلط ہے۔

iv۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جس کے پاس تزکیے کے لیے جا رہے ہیں وہ تزکیہ کرنے کا اہل بھی ہے یا نہیں کیونکہ ہر عالم اور صالح شخص اس کا اہل نہیں ہوتا اور ''نہ ہر کس کہ موش مے تراشد قلندری داند'' والا معاملہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جو سبز چوغہ پہنے، ہاتھ میں تسبیح لیے مسند تزکیہ پر بیٹھا ہو، موزوں مربی ومزکی بھی ہو کہ۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات ومنات

اگر ہم امراضِ جسمانی کے لیے سند یافتہ، تجربہ کار، ذہین اور لائق ڈاکٹر ڈھونڈتے ہیں تو معالجۂ نفس اور تزکیۂ نفس کے لیے مربی ومزکی میں اس طرح کی صفات کیوں نہ ڈھونڈی جائیں؟

v۔ مزکی کا شریعت کا عالم، اس پر عامل اور ماہرِ نفس ہونا کافی نہیں بلکہ طالب اور مزکی میں ذوقی ہم آہنگی ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ جس مزکی سے طالب تزکیہ کی ذوقی اور مزاجی مناسبت نہ ہوگی اس سے استفادہ مشکل ہوگا اگرچہ مزکی میں دوسری ساری خوبیاں موجود ہی کیوں نہ ہوں۔

vi۔ اچھے مربی کی پہچان یہ بھی ہے کہ اس کی مجلس میں بیٹھ کر اللہ یاد آجائے اور آخرت کی فکر پیدا ہو جائے۔ دین پر عمل کرنے کی ترغیب ملے اور اس سے استفادہ کرنے والے اکثر لوگ دین دار ہوں۔

vii۔ جو مزکی و مربی متبع سنت نہ ہو یعنی داڑھی منڈاتا ہو، سگریٹ پیتا ہو، گالیاں بکتا ہو،

قہقے لگاتا ہو، لوگوں سے پیسے لے کر تعویز دیتا ہو اور دوسری خلافِ اسلام رسوم ورواج پر عامل ہو، ایسے شخص کے پاس جا کر اپنا وقت اور دین ضائع نہ کیجیے۔

## معلمین اپنا اور طلبہ کا تزکیہ کس طرح کریں؟

### معلمین کا تزکیہ

معلمین اپنا تزکیہ اسی طرح کر سکتے ہیں جس کی تفصیل ہم نے سطور بالا میں دی ہے۔ اور اگر وہ باوجود کوشش کے اپنا تزکیہ خود نہ کر سکیں اور اللہ ورسول کی تعلیمات پر کماحقہ عمل نہ کر سکیں تو انہیں بھی لازماً کسی مربی ومزکی سے مدد لینی چاہیے اور کثرت ذکر وصحبت صالح سے اپنے نفس کا تزکیہ کرنا چاہیے جس کی تفصیلات اوپر مذکور ہوئیں۔

اساتذہ کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی حیثیت عام آدمی کی سی نہیں ہے۔ ایک عام آدمی اگر اپنا تزکیہ نہیں کرتا تو وہ اپنا نقصان کرتا ہے لیکن اگر ایک استاد اپنا تزکیہ نہیں کرتا تو اس کا وبال اس کے تلامذہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے کیونکہ اپنے طلبہ وطالبات کے نفوس کا تزکیہ کرنا یعنی ان کی کردار سازی کرنا، ان کو اچھا مسلمان اور اچھا انسان بنانا اس کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ یہ فریضہ انجام نہیں دیتا تو وہ اللہ کو بھی جواب دہ ہے، والدین کو بھی اور معاشرے اور قوم کو بھی، کیونکہ ایک معلم اگر اپنے تلامذہ کی اچھی تربیت نہیں کرتا یا یوں کہیے کہ اگر وہ ان کی بری تربیت کرتا ہے (اور ظاہر ہے کہ اگر اس کی اپنی عادتیں اور رویے برے ہیں تو ظاہر ہے وہ طلبہ کو بھی برے رویے ہی سکھانے کا موجب بنتا ہے جیسے نماز کے وقت نماز نہ پڑھنا، سگرٹ پینا، جھوٹ بولنا.....وغیرہ) تو وہ اللہ، والدین، قوم، معاشرہ سب کا مجرم ہے۔ استاد کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ چاہے یا نہ چاہے، اس کے طلبہ اسے آئیڈیلائز کرتے ہیں، اس جیسا بننا چاہتے ہیں، اس کی عادتوں اور رویوں کی نقل کرتے ہیں لہٰذا اس کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنی سیرت کی تعمیر کرے، اپنا تزکیہ کرے، اپنی تربیت کرے اور سیرت و اخلاق کا اچھا نمونہ طلبہ کے سامنے پیش کرے۔

### طلبہ کا تزکیہ

ہم اس کتاب میں دوسری جگہ تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ:

۱۔ طلبہ کی تربیت (تعمیر سیرت/کردار سازی/تزکیۂ نفس) نظام تعلیم کے سارے اجزاء یعنی استاد، نصاب، انتظامیہ (پرنسپل/ ڈائریکٹر)، تعلیمی ادارے کا ماحول، ہم نصابی سرگرمیاں اور طلبہ وطالبات سب کا کردار اہم اور ناگزیر ہے۔ خصوصاً ہم نصابی سرگرمیاں اس میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے نصابی سرگرمیوں پر اساتذہ کی تفصیلی رہنمائی کے لیے اس کتاب کے ضمیمہ ۲ میں اور اپنی سابقہ کتاب 'تعلیمی ادارے اور کردار سازی' میں کافی تفصیلات مہیا کی ہیں۔

۲۔ ہم یہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ استاد طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے کہ جس طرح وہ اپنی سگی اولاد کو آگ کے عذاب سے بچانا چاہتا ہے اسی طرح اپنے طلبہ وطالبات کو بھی جہنم کی آگ سے بچانا چاہے اور جس طرح اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرنا اور انہیں اچھا اور کامیاب مسلمان اور انسان بنانا چاہتا ہے اسی طرح اپنے طلبہ وطالبات کو بھی بنانے کی جدوجہد کرے اور یہ کام شفقت ومحبت سے کرلے۔

۳۔ یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا بڑوں کے تزکیۂ نفس کے اصول طلبہ پر لاگو ہو سکتے ہیں؟ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ تصوف کے ادارے کے محقق صوفیاء نے تزکیہ کے لیے دو بنیادی اصول مقرر کیے ہیں: ایک صحبتِ صالح اور دوسرے کثرتِ ذکر ہماری رائے میں صحبت صالح کا اصول طلبہ پر بھی لاگو ہوتا ہے یعنی ضروری ہے کہ طالب علم برے بچوں کی صحبت سے بچے اور اچھے، محنتی، لائق اور صالح بچوں کے ساتھ دوستی کرے۔ اسی طرح اچھے اور صالح استاد کا کردار بھی طالب علم کے لیے صحبت صالح کی ذیل میں آتا ہے۔

جہاں تک کثرتِ ذکر کا تعلق ہے تو چھوٹے بچے فطری طور پر چونکہ کھیل کود کی طرف مائل ہوتے ہیں لہٰذا انہیں دلچسپ انداز میں اور کھیل ہی کھیل میں بڑھانا لکھانا چاہیے اور اسلامی اقدار ان میں منتقل کرنی چاہئیں۔ گویا سکول سطح پر دلچسپ نصابی و ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طلبہ کی تربیت کرنا چاہیے نہ کہ براہ راست وعظ اور ذکر کے ذریعے۔ البتہ یونیورسٹی طلبہ کو صحبت صالح اور کثرت ذکر کی تلقین کی جاسکتی ہے۔ ہمارے استاد جناب احمد جاوید صاحب بچوں کی تربیت وتزکیۂ نفس کے لیے مندرجہ ذیل لائحہ عمل تجویز کرتے ہیں:

۱۔ انہیں نماز کا عادی بنایا جائے۔

۲۔ انہیں روزانہ قرآن حکیم کی تلاوت کی عادت ڈالی جائے۔

۳۔ روزمرہ کی دعائیں انہیں سکھائی جائیں اوران پر عمل کی ترغیب انہیں دی جائے۔

۴۔بچوں میں سچ بولنے کی عادت کو پختہ کرنا چاہیےاوراس پر زجروتوبیخ نہیں کرنی چاہیے۔

۵۔ یہ سارے کام شفقت ومحبت سے کرنے چاہئیں اور کسی حد تک آزادی کا ماحول ہونا چاہیے یعنی سختی، جبر اور گھٹن کی صورت نہیں ہونی چاہیے۔

٦۔ اساتذہ اوروالدین کو اچھا نمونہ پیش کرنا چاہیے۔

### ڈاکٹر محمد رفیع الدین ؒ کا نقطۂ نظر

ڈاکٹر محمد رفیع الدین یگانۂ روزگار فلسفی، اسلامی دانشور اور ماہر تعلیم تھے۔بعض لوگ انہیں علامہ اقبال ؒ کے بعد برصغیر پاک وہند کا دوسرا بڑا مسلم فلسفی اور دانشور سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مغربی دانشوروں کی فکر کو جس طرح علمی دلائل سے رد کیا اور اسلامی فکر وتعلیمات کی عظمت کو جس طرح دلائل وبراہین سے اپنی عمدہ نثر میں مغربی فکر سے عظیم تر ثابت کیا ہے اور جس طرح وہ علم اور تعلیم کی تشکیلِ نو کو اسلامی تناظر میں زیر بحث لائے ہیں، ان کے یہ کام علامہ اقبال سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اگرچہ اقبال کا اپنا دائرہ کار رہے خصوصاً اپنے اشعار کے ذریعے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت کی ہے وہ بھی اپنی جگہ بے مثال ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ؒ نے تعلیم کی اسلامی تشکیلِ نو کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جو کوششیں کیں اس میں اگرچہ وہ زیادہ پیش رفت نہ کرسکے اور عمر نے انہیں زیادہ مہلت بھی نہ دی، تاہم تعلیم پر ان کی دو کتابیں (First Principles of Islamic Educatlow) (جس کا اردو ترجمہ ان کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا) اور اسلام کا نظریۂ تعلیم اپنے موضوع پر شاہکار کتابیں ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی تلخیص معروف سندھی اسلامی دانشور اور صوفی حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے 'قومی تعمیر وزوال میں نظام تعلیم کا کردار' کے عنوان سے کی ہے۔ معلمین کو یہ کتابیں ضرور پڑھنی چاہئیں۔

پہلی کتاب میں ڈاکٹر رفیع الدینؒ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی تعلیم کا بنیادی مقصد طلبہ میں دین کے بنیادی نصب العین کی محبت پیدا کرنا ہے۔ یہ نصب العین توحید ہے یعنی ذات باری تعالیٰ کا ادراک کرے۔ انسانی زندگی میں تصورِ الٰہ کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہوکر اس کی عبادت واطاعت۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بشیر ونذیر قرار دیا ہے یعنی بشارت دینے والا اور انذار کرنے والا۔ گویا ترغیب وترہیب دونوں پہلو نبی ﷺ کی دعوت میں موجود تھے۔ اسی طرح یہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی میں دو بنیادی جذبات محرک عمل ہوتے ہیں: ایک محبت اور دوسرے خوف۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف۔ ان دونوں کا مجموعہ تقویٰ کہلاتا ہے جسے قرآن حکیم نے شرع ہدایت قرار دیا ہے۔ اگرچہ اللہ کی محبت اور خشیت دونوں محرک عمل ہیں لیکن محقق صوفیاء مخاطب کی نفسیات اور طبیعت کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ محبت سے بدلے گا یا خشیت سے۔ اور یہ ایک ناقابل حقیقت ہے کہ بچے صرف پیار کی زبان سمجھتے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ صرف پیار ومحبت ہی کا سلوک کرنا چاہیے اور پیار ومحبت کے ساتھ، بغیر کسی جبر اور اکراہ کے، ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیج بونا چاہیے تاکہ وہ آہستہ آہستہ تناور درخت بن جائے اور بچے کی شخصیت اس درخت کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں پروان چڑھے۔

یہ ایک روح فرسا حقیقت ہے کہ اگر ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سکولوں کے اسلامیات کے نصاب کا جائزہ لیں تو ہمیں وہاں بہت کم مواد ایسا ملتا ہے جو ایک مسلمان طالب علم کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے بیج بوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ایک مسلمان کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق مضبوط نہ ہو اور یہ تعلق شدید محبت اور جذباتی وابستگی پر مبنی نہ ہو اس وقت تک اسلامی شخصیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کا ذوق اور جذبہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ کی رائے میں اسلامی نظامِ تعلیم کا بنیادی ہدف یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ میں دین کے بنیادی نصب العین یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کی جائے۔ ان کی رائے میں حبل

المتین کا یہ سِرا اگر بچے کے ہاتھ آ جائے تو وہ اسے گرفت میں لے کر باقی ماندہ زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق گزار سکتا ہے اور یہی چیز دنیا میں مسلمانوں کے غلبے اور آخرت میں نجات کا سبب بن سکتی ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ ایک فلسفی تھے اور تصوف و تزکیہ اپنی اعلیٰ ترین علمی صورت میں ان کے فلسفے میں موجود تھا، اس لیے تعلیم پر ان کی کتابیں ایک عام قاری کو خشک اور ادق محسوس ہو سکتی ہیں۔ ہم نے بچوں کی تربیت کے حوالے سے ان کے نقطۂ نظر کا ایک عام فہم خلاصہ یہاں دے دیا ہے۔ اللہ کرے ہم ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے اور بیان کرنے میں کامیاب ہوئے ہوں۔

## حاصلِ بحث

ہماری اس تحریر کا حاصل یہ ہے کہ جو اساتذہ بچوں کی اسلامی تربیت کرنا چاہتے ہیں انہیں پہلے اپنی تربیت اور اپنے تزکیۂ نفس کی فکر کرنی چاہیے۔ اس کے بغیر وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم نے سابقہ سطور میں کچھ اس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ وہ اپنا اور اپنے طلبہ کا تزکیۂ نفس کس طرح کریں۔ اللہ کرے یہ سطور مربی اساتذہ کے لیے مفید اور محرک عمل ثابت ہوں اور وہ احسن طریقے سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

آخری بات یہ کہ تزکیۂ نفس اور تعمیرِ سیرت کسی علم، نظریے، فلسفے اور معلومات کا نام نہیں بلکہ یہ عملاً کرنے کا کام ہے اور عملی کوشش کرنے سے ہی تزکیۂ نفس ہوتا ہے لہٰذا اٹھیے اور شروع ہو جائیے۔ اپنا تزکیہ کرنے لگ جائیے اور اپنے طلبہ کا تزکیہ کرنے لگ جائیے۔ یہ ایک عملی کام ہے اور صرف کرنے سے ہوگا۔ آپ کو اس کے لیے عمل پر اکسانا ہی اس تحریر کا مقصد ہے۔

سکول سطح پر کارِ تربیت کو منظم انداز میں کرنا ایک نئی اپروچ ہے لہٰذا اپنے تجربات ہمارے ساتھ شیئر کیجیے، اپنی مشکلات ہمیں بتائیے اور اگر ہماری کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو پوچھیے۔ اگر کوئی بات وضاحت طلب ہے تو اس کی نشان دہی کیجیے تا کہ ہم اور آپ مل کر یہ اہم کام کامیابی سے کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا اور آپ کا حامی و ناصر ہو۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العلمین

تعلیم و تربیت

مدیر

# بچوں کی جنسی تعلیم

ہم اور ہمارا معاشرہ جن امور میں افراط وتفریط کا شکار ہے ان میں جنسی تعلیم بھی شامل ہے۔ایک طرف ہمارا مذہبی اور روایتی معاشرہ ہے جو جنس پر گفتگو کرنا حرام سمجھتا ہے۔اس سے بھی بڑے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔اس میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ نابالغ بچوں کو ترجمۂ قرآن پڑھاتے ہوئے جنسی موضوعات کی تعلیم کیسے دی جائے جیسے حیض، ہم جنس پرستی (قوم لوط) حمل اور ولادت (سورہ مریم)،عورت مرد کا معاشقہ (سورہ یوسف وغیرہ)۔

دوسری طرف مغرب اور اس کی بالا دست تہذیب ہے جو جنس کے معاملے میں حیوانوں کی سطح پر اتر آئی ہے اور مغربی اقوام خود اور 'اقوام متحدہ' کا پلیٹ فارم استعمال کر کے بنیادی انسانی حقوق، گلوبلائیزیشن اور تحدید آبادی (برتھ کنٹرول) وغیرہ کے ناموں سے مسلم معاشروں پر جنس کے بارے میں اپنی پالیسی تھونپ رہی ہیں اور مسلمانوں کے کمزور حکمران ان پالیسیوں کو خوشی سے یا دباؤ میں آ کر قبول کر رہے ہیں۔اس حوالے سے ایک مضمون ہم البرہان میں دے رہے ہیں۔اس موضوع پر ہم پہلے ہی ڈاکٹر سلیم بشیر صاحب کا مضمون البرہان دسمبر ۲۰۱۳ء میں دے چکے ہیں اور سیکس ایجوکیشن پر پروفیسر ارشد جاوید صاحب کی کتاب پر تبصرہ البرہان اپریل ۲۰۱۳ء میں کر چکے ہیں۔

قصور کے حالیہ واقعہ نے اس پر جلتی کا کام کیا ہے اور مغرب زدہ دانش اور حکمران بچوں کو جنسی تعلیم دینے پر اصرار کرنے لگے ہیں جس سے، ظاہر ہے، زنا بالجبر کے واقعات معاشرے میں مزید بڑھیں گے کیونکہ یہ سیکولرزم اور لبرل ازم ہے، میڈیا اور مغرب زدہ تعلیم ہے جس نے پہلے بھی اس معاملے کو ہوا دی ہے اور اب مزید دے گی۔

بہر حال یہ ایک سنجیدہ موضوع پر ہے اور اس پر البرہان جلد علماء کرام، ماہرینِ نفسیات اور جنسیات کی ایک ریسرچ ورکشاپ منعقد کر رہا ہے اور اگلے شمارے میں اس کی سفارشات ان شاء اللہ قارئین کی خدمت میں پیش کی جائیں گے۔تازہ شمارے میں اس موضوع پر انصار عباسی صاحب کے مضمون کے علاوہ سانحۂ قصور پر ہمارا تبصرہ اور 'استفسارات' کی ذیل میں اس موضوع پر علماء کرام سے استفسار بھی شاملِ اشاعت ہے۔

تعلیم و تربیت

انصار عباسی (۱)

# جنسی تعلیم کی آڑ میں گھناؤنی سازش

پاکستان کے ایک نامی گرامی اسلامی سکالر نے مجھے فون کیا اور میرا ڈاکٹر سلیم بشیر سے تعارف کروایا جنہوں نے مجھے فون پر بتایا کہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ہمارے تعلیمی نصاب میں جنسی تعلیم کو متعارف کروایا جا رہا ہے جس کے لیے اقوام متحدہ کے مختلف اداروں کے توسط سے یہاں تیزی سے کام جاری ہے۔ اس کام میں کچھ NGOs کافی سرگرم ہیں جبکہ حکومت پنجاب نے بھی اس سلسلہ میں ایک پالیسی جاری کر دی ہے جبکہ کراچی کے سرکاری اسکولوں میں بھی یہ تعلیم بچوں کو دی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے میں نے گزارش کی کہ برائے مہربانی مجھے کوئی دستاویزی ثبوت بھیجیں تاکہ میں دیکھ سکوں کہ کس حد تک اُن کے خدشات درست ہیں۔ جب مجھے ان کی دستاویزات موصول ہوئیں تو انہیں پڑھ کر محسوس ہوا کہ واقعی دال میں تو بہت کچھ کالا ہے۔ اخباری تراشوں سے معلوم ہوا کہ پاکستانی معاشرہ کو فری سیکس سوسائٹی بنانے کا کام تو کب کا شروع بھی ہو چکا۔ ایک خبر کے مطابق Life Skilled Based Education کے نام پر سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کے منظور شدہ نصاب میں چھٹی سے دسویں تک کے بچوں اور بچیوں کو یہ پڑھایا جا رہا ہے کہ ان کا کسی سے بھی (جاننے والا یا کوئی اجنبی) جنسی تعلق کس نوعیت کا ہونا چاہیے۔ ان معصوم بچوں کو یہ پڑھایا جا رہا ہے: During sex with an affected person or someone you don't know a condom should be used"۔ ایک اور خبر کے مطابق کچھ عرصہ قبل لاہور ہائی کورٹ نے Bargad نامی ایک NGO کو طلب کیا کیوں کہ اس تنظیم کی طرف سے گجرانوالہ کے سرکاری اسکولوں میں حکومتی منظوری کے بعد تقسیم کی گئی جنسی کورس کی کتابوں میں بچیوں کو تعلیم دی جا رہی تھی کہ لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ کیسے دوستی کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے مہیا کیے گئے مواد سے معلوم ہوا کہ SRHR (Sexual and Reproductive Health and Rights) کے نام پر اقوام متحدہ نے جنسی حقوق کی تعریف کرتے ہوئے جن حقوق کی بات کی اُن حقوق میں جنسی جوڑے چننے میں آزادی کا حق، جنسی طور پر متحرک ہونے یا نہ ہونے کا حق، باہمی رضامندی سے جنسی تعلق رکھنے کا حق اور

(۱) روزنامہ جنگ

جنسیت کے حوالے سے معلومات کو پڑھانے، حاصل کرنے اور جاننے کا حق وغیرہ شامل ہیں۔اقوام متحدہ نے SRHR کی تعریف اور وضاحت جس کتابچے میں کی، اس کے سرورق پر دو ہم جنس پرست لڑکوں کی تصویر آویزاں ہے۔حکومت پنجاب کی جانب سے جاری کی گئی Adolescent Strategy and Strategic Plan 2013-2017 میں ویسے تو کوشش کی گئی کہ متنازعہ موضوعات کو پالیسی میں نہ لکھا جائے مگر اس پالیسی میں SRHR کا واضح ذکر موجود ہے جس کے لیے NGOs کے لازمی کردار کا حوالہ بھی موجود ہے۔ڈاکٹر سلیم کے مطابق پاکستان میں بہت سی NGO's اس ایجنڈے پر کارفرما ہیں اور 2009 سے مسلسل مختلف نجی اسکولوں میں وقتاً فوقتاً مختلف کتب میں اس کو پڑھانے کی کوششیں جاری ہیں۔ڈاکٹر صاحب کے مطابق حال ہی میں ایک NGO نے اس ایجنڈے کو اور بھی گھناؤنا رنگ اس وقت دیا جب انھوں نے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کرام کو دھوکے سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ان علماء سے فقہی نوعیت کے چند سوال پوچھ کر کتابچے مرتب کیے گئے جن میں جنسی و تولیدی حقوق کے متعلق سرے سے کچھ پوچھا ہی نہیں گیا مگر ان کتابچوں کو دکھا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ تمام مکاتبِ فکر کے علماء اس ایجنڈے پر ان کے ساتھ متفق ہیں۔ڈاکٹر صاحب کے مطابق یہ ساری سازش ایک ریڈیو پروگرام میں بے نقاب ہوئی

http://radiomines.pk/audio/mulaqaat-with dr.ghalib. ata.dr saleem.raghib naeemi/ umer aftab.

ڈاکٹر صاحب مجھے اس سارے معاملہ میں بہت مخلص اور فکر مند نظر آئے۔اُن کا کہنا تھا کہ کسی بھی نظریاتی ریاست کی حکومت کی تین بنیادی ترجیحات ہوا کرتی ہیں: ۱۔اپنے نظریے کو عوام پر نافذ کرنا ۲۔اپنے نظریے کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے بچانا ۳۔اپنے نظریے کو ساری دنیا میں پھیلانا اور منوانا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب مدینہ میں اسلامی نظریاتی ریاست قائم کی تو وہاں اسلامی عقیدے کی بنیاد پر شریعت کو نافذ کیا گیا، اندرونی خطرات سے نمٹنے کے لیے حدُود اللہ کے عدالتی نظام کو نافذ کیا گیا، بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لئے جہاد اور امت کو نظریاتی طور پر مضبوط کیا گیا نیز پھیلاؤ کیلئے دوسری ریاستوں کے حکمرانوں کو وفود اور خطوط بھیجے، تبلیغ اور اقدامی جہاد کے احکام کو اپنایا گیا۔اُن کا کہنا تھا کہ بدقسمتی سے آج مسلمانوں کے حکمران اور حکومتیں اپنی ترجیحات بدل چکی ہیں، مگر کفر آج انہی تین ترجیحات کو اپنائے ہوئے ہر روز اسلام اور امّتِ مسلمہ کے لئے نئے نئے چیلنجز پیدا کرتا رہتا ہے۔کفر آج عیسائیت اور

صہیونیت کی روایتی یلغار سے ہٹ کر ایک سرمایہ دارانہ عقیدے پر کھڑا ہے جس کی بنیاد زندگی کے تمام نظاموں میں خدا سے آزادی ہے۔ ان آزادیوں کو ایک خوبصورت نام ''بنیادی انسانی حقوق'' کے نام سے متعارف کروایا جاتا ہے۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ انسان کے حقوق وفرائض کا تعین اسلام میں تو اللہ رب العزت کرتے ہیں، مگر ان ''بنیادی انسانی حقوق'' کا تعین اپنے عزائم اور مقاصد کو مدِ نظر رکھ کر اپنے نظریئے کے پھیلاؤ کے لئے سرمایہ دارانہ نظریئے کے حاملوں نے خود کیا، ان حقوق میں عقیدے کی آزادی......اظہارِ رائے کی آزادی......ملکیت کی آزادی......اور شخصی آزادی خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ آج سیکولر ریاستوں میں بالخصوص امریکہ اور یورپ جیسی سرمایہ دارانہ ریاستوں میں عقیدے کی آزادی کے نام پر اسلام کی مرتد کی سزا کو ظالمانہ قرار دیا گیا، نیز عقیدے کی اہمیت کو ایک کھلونے سے زیادہ نہیں سمجھا جاتا، جبکہ ملکیت کی آزادی کے نام پر تمام وسائل کو پرائیویٹائز کرنے کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر مما لک کے وسائل پر قبضہ کر کے لوگوں کو سرمایہ دار کی معاشی من مانیوں کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے، اظہارِ رائے کی آزادی ہمیشہ انبیائے کرامؑ اور مذاہب کا مذاق اڑانے لے لئے بے دریغ استعمال کی جاتی ہے اور ساتھ ہی شخصی آزادی کے نام پر مادر پدر آزاد معاشرہ جس کو Free Sex Society بھی کہا جاتا ہے، قائم کر دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ کوئی بھی ذی شعور آدمی یہ بات با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے حقوق کے نتیجے میں پاکستان بھی ایک فری سیکس سوسائٹی بن جائے گا، اس کام کے راستے میں ممکنہ رکاوٹوں کو پہلے ہی حکومت NGO's اور بین الاقوامی دباؤ میں آ کر ختم کر چکی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تجویز دی کہ ایک ایسا تعلیمی نظام جو ایک خاص نظریئے کے پرچار کے طور پر لایا جا رہا ہو اس سے بچاؤ کے لیے ہمیں اپنے (اسلامی) نظریاتی تعلیمی نظام کے نفاذ کو یقینی بنانا چاہیے جس کے ذریعے جدید سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ شریعت کی تعلیم، محرم اور غیر محرم کے احکام، پردے کے احکام، اسلام کی فحاشی اور بدکاری سے برأت اور کراہت کے احکام کا پرچار نیز ایسی تعلیم جو ایک بچے کو حقیقی اسلامی شخصیت بنائے، جس کا اسلام کا شعور صرف اخلاقیات اور عبادات کی حد تک ہی نہیں بلکہ سیاسی، معاشی، معاشرتی، عدالتی اور خارجہ پالیسیوں میں بھی اسلام کے نفاذ اور دنیا میں اسلامی نظریے کی بالادستی کو یقینی بنائے۔ اس کے لیے حکومتوں اور حکمرانوں کا کردار بہت اہم ہے۔ (بشکریہ روزنامہ جنگ)

تعلیم و تحقیق　　　ڈاکٹر محمد امین

# دائرہ ہائے تحقیق

## اسلامی و عمرانی علوم میں تحقیق ۔ اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ و طلبہ، سکالرز اور علماء کرام کی توجہ کے لیے

[تسلسل کے لیے دیکھیے اس موضوع پر البرہان کا شمارہ ستمبر و نومبر ۲۰۱۶ء]

### مطالعۂ مغربی فکر و تہذیب

اسلامی علوم اور اسلامی تناظر میں عمرانی علوم میں تحقیق کا ایک اور بڑا دائرہ مطالعۂ مغربی فکر و تہذیب کا ہے۔

### ضرورت و اہمیت

مغربی فکر و تہذیب کا تحقیقی مطالعہ اس لیے ضروری اور اہم ہے کہ:

۱۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کے زوال کے اصولی اسباب داخلی تھے لیکن یہ بھی غلط نہیں کہ مسلم زوال کے خارجی اسباب میں مغربی فکر و تہذیب اور اس کے علمبردار اہل مغرب کا رویہ سرفہرست ہے۔ انہوں نے مسلم امہ کی کمزور دیوار کو دھکا دے کر گرادیا اور گھر پر قابض ہو گئے یعنی مسلم ممالک پر قبضہ کرلیا اور انہیں غلام بنالیا۔

۲۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل مغرب مسلم زوال کو طول دینے کی کوشش کرتے رہے اور اس وقت بھی وہ مسلمانوں کے زوال سے نکلنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

۳۔ مغربی فکر و تہذیب اس وقت دنیا پر غالب ہے اور مسلمان ممالک اگرچہ آزاد ہوئے ہیں لیکن یہ آزادی خاصی محدود ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد خصوصاً اس کے ادیب، صحافی، دانشور، اساتذہ اور پڑھے لکھے افراد آج بھی مغربی فکر و تہذیب سے مرعوب ومتاثر ہیں بلکہ مغرب کے ذہنی غلام ہیں اور حکمران طبقے (سیاستدان، فوج، عدلیہ، انتظامیہ (بیوروکریسی) تو عملاً آج تک مغرب کی غلامی سے نکل ہی نہیں سکے۔

۴۔ اہل مغرب مسلمانوں کو زوال سے نکلنے نہ دینے کی اپنی پرامن کوششوں کو ناکام

ہوتا دیکھ کران پر جنگ مسلط کر کے ان کو تباہ و برباد کرنے پر تل گئے ہیں۔

۵۔ مخالف قوم کو سمجھنے اور اس سے نمٹنے کے لیے اس کا تحقیقی مطالعہ اتنا اہم اور ضروری ہوتا ہے کہ اہل مغرب نے مسلم دنیا اور اس کے علوم و معارف اور ترجیحات وتزویرات کو سمجھنے اور ان کا توڑ کرنے کے لیے اوری اینٹلزم (Orientalism) یعنی 'مطالعۂ شرق' کے نام سے باقاعدہ ایک شعبۂ علم (Academic Discipline) ایجاد کیا اور ہزاروں مغربی سکالرز نے اس کے لیے زندگیاں وقف کیں اور عمر بھر اس پر کام کرتے رہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم عرصے سے مسلم حکمرانوں، دانشوروں اور اکیڈیمیا سے یہ مطالبہ کرتے آرہے ہیں کہ وہ مسلم جامعات میں 'مطالعۂ غرب' (Occidentalism) کے تحقیقی مراکز قائم کریں لیکن ابھی تک ہماری نحیف آواز 'صدا الصحرا' ہی ثابت ہوئی ہے۔

## تحقیق کا سکوپ

مغربی فکر وتہذیب پر تحقیق اور مطالعۂ غرب کے چار بڑے دائرے ہیں؛ جیسا کہ امام غزالیؒ نے یونانی فکر وفلسفہ کے مطالعہ کے وقت کیا تھا کہ پہلے اس کو سمجھا اور 'مقاصد الفلاسفہ' لکھی اور پھر اس کا علمی وفکری سطح پر رد کیا اور اپنی اس علمی کاوش کا نام 'تہافتہ الفلاسفہ' رکھا۔ ہمیں آج ایک تیسرے پہلو پر بھی ریسرچ کی ضرورت ہے (اور امام غزالیؒ کو اس کی ضرورت اس لیے نہ محسوس ہوئی کہ اس وقت یونانی فکر وتہذیب دنیا پر غالب نہ تھی اور نہ اس کی پشت پر طاقتور سلطنتیں موجود تھیں جو اس کے پھیلاؤ اور غلبے کے لیے کوشاں ہوتیں) اور وہ ہے مغربی فکر وتہذیب کے علم بردار ممالک کی اپنی فکر وتہذیب کو دوسروں پر مسلط کرنے کی خواہش (جسے (Universalization of Western Thought and Civilization) کی کوشش کہنا چاہیے۔ جس کی شکلیں نیوورلڈ آرڈر (New World Order) گلوبلائزیشن (Globalization)، اقوام متحدہ اور اس کے ادارے یونیسف، یونیسکو اور ڈبلیوٹی او (WTO) وغیرہ ہیں۔ بلکہ اس کے مقابل ومخالف افکار اور تہذیبوں کو دبانے اور کچلنے کی کوشش، جس کا مظہر ماضی میں کمیونزم اور سوشلزم کی مخالفت اور اس کے علمبردار ممالک کو شکست دینا اور توڑنا تھا اور آج اس کا مظہر اسلام کی مخالفت اور مسلم ممالک کو توڑنا

اور تباہ کرنا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ مطالعۂ غرب اور مغربی فکر و تہذیب پر تحقیق کے کئی بڑے دائرے ہو سکتے ہیں مثلاً:

۱۔ مغربی فکر و تہذیب کی تفہیم

۲۔ مغربی فکر و تہذیب کا تنقیدی مطالعہ اور اس کا علمی و فکری سطح پر رد

۳۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغربی فکر و تہذیب کے علمبردار ممالک کی منصوبہ بندی، جدوجہد اور تزویراتی حکمتِ عملی (Strategy) کو سمجھنا اور اس کا توڑ کرنا۔ اس میں دفاعی حکمت عملی (Defensive Approach) کے ساتھ ساتھ ہجومی حکمت عملی (Offensive Approach) بھی زیر بحث آنی چاہیے کیونکہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ Offence ہی بہترین ڈیفنس ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہم اسلام کو پرزور طریقے سے ایسی اعلیٰ علمی و فکری سطح پر پیش کریں کہ اس کا لوہا اغیار سے بھی منوالیں بجائے اس کے کہ اغیار اسلام پر اعتراضات اور شبہات کی بوچھاڑ کر دیں اور ہم دفاعی انداز میں وضاحتیں کرتے پھریں۔

۴۔ مغربی فکر و تہذیب کے مسلم معاشرے پر اثرات اور مسلمانوں کا اس پر ردعمل۔

اب ہم ان چاروں پہلوؤں کی کچھ تفصیلات کا ذکر کریں گے:

## ۱۔ تفہیم مغرب

مغربی فکر و تہذیب کے تفہیمی مطالعے کے لیے ہمیں وہاں کی فکری تحریکوں، اہم نظریات اور اہم فلاسفہ و اہل دانش کا مطالعہ کرنا ہو گا، جس کی کچھ تفصیل یہ ہے:

### مغربی فکر کا تشکیلی دور

مغرب کے تشکیلی دور کو سمجھنے کے لیے ہمیں یونانی فکر و تہذیب، رومن تہذیب اور اسلامی فکر و تہذیب کے مغربی فکر کی تشکیل میں کردار کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔

### مغرب کی فکری تحریکیں

جیسے تحریک نشاۃ ثانیہ (Renaissance)، تحریکِ اصلاحِ مذہب

(Reformation)، تحریک رومانویت(Romanticism)، تحریکِ تنویر (Enlightenment)، جدیدیت (Modernity) اور پسِ جدیدیت (Post Modernity) وغیرہ۔

## مغرب کے اہم نظریات

ہیومنزم (Humanism)، سیکولرزم (Secularism) ، لبرل ازم (Liberalism)، انفرادیت پسندی (Individualism)، مادہ پرستی (Materialism)، نظام سرمایہ داری (Capitalism) ، عملیت پسندی (Pragmatism)، افادیت پسندی (Utilitarianism)، سائنسی طرز فکر (Scienticism)، تشکیک(Scepticism)،ڈارونزم(Darwinism)،فرائیڈزم (Fruedism)،تصغیریت(Reductlonism)وغیرہ۔

## اہم فلسفیانہ نظریات

موجودیت(Existentialism)،مظہریت(Phenominology)

ساختیت (Constructionism)،منطقی ثبوتیت(Logical Positivism)

عقلیت(Rationalism)،تجربیت(Empiricism)

تشکیک(Scepticism)وغیرہ۔

## اہم فلسفی اوردانشور

**تشکیلی دور**(سترھویں واٹھارویں صدی)

بیکن، ڈیکارٹ، ہوبز، سپنوزا، جان لاک ، لائبنز ، نیوٹن، برکلے، ہیوم، روسو، کانٹ، کومتے،شوپن ہاوروغیرہ۔

**سائنسی منہاج کا دور**(انیسویں صدی اوربیسویں صدی کا نصف اوّل)

ڈارون، مارکس، فخنر، جیمز واٹ، ایڈلر، میکڈوگل، فرائڈ، کوفکا، برگسان، وائٹ ہیڈ، واٹس،ژونگ وغیرہ۔

**دور ردِّعمل** (بیسویں صدی کا نصف آخر)

ہیگل، نطشے، ہسرل، ماسلو، ہائیڈیگر، سارتر، روجرز وغیرہ۔

**پسِ جدیدیت:** میکائیل فوکالٹ، دریدا، رچرڈ رورٹی، کرکیگارڈ وغیرہ۔

## ۲۔ مغرب کا تنقیدی مطالعہ

پہلے مرحلے میں مغربی فکر وفلسفے کا تفہیمی مطالعہ کرنے کے بعد دوسرے مرحلے میں اس کا تنقیدی مطالعہ کرنا چاہیے۔ مغربی فکر کے تنقیدی مطالعے کے اہم لوازم یہ ہیں:

i۔ مغربی فکر کی مختلف جہتوں، ابعاد اور اقسام کا تحلیلی تجزیہ

ii۔ ان افکار ونظریات کے اہداف ومقاصد کا تعین

iii۔ ان افکار کے داخلی تضادات اور محدودیت (Limitations)

iv۔ ان افکار کو اسلام اور اسلامی فکر پر پیش کرنا، دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنا اور یہ دیکھنا کہ کیا مغربی فکر، اسلامی فکر کی نقیض تو نہیں؟

v۔ اگر یہ اسلامی فکر کی نقیض ہو تو اسے علمی وفکری سطح پر رد کرنا اور اسے مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ثابت کرنا۔

vi۔ اگر مغربی تہذیب کی کوئی پروڈکٹ غیر اقداری (Value-Neutral) ہو اور محض انسانی تجربات کی پیداوار ہو تو اسے اپنی ضرورت کے مطابق تبدیل کر کے اسے اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھال کر اور اسلامی مقاصد کے لیے مفید بنا کر استعمال میں لانا۔

مندرجہ بالا نکات کے اہم پہلوؤں کی وضاحت ناگزیر ہے:

### i۔ تحلیلی تجزیہ

تفہیمی مطالعہ اپنے اندر ایک پھیلاؤ رکھتا ہے اور متنوع اور بکھرے ہوئے افکار کے مطالعہ سے بسا اوقات کچھ حاصل ہوتا نظر نہیں آتا بلکہ بسا اوقات انسان ذہنی پراگندگی کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور اگر اپنی فکر وتہذیب کا مطالعہ گہرا اور اس کے اثرات پختہ نہ ہوں تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اس دوسری تہذیب سے متاثر اور مرعوب ہوجائے۔ اس لیے ذہین قاری کا

فرض ہے کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے اس کا ساتھ ساتھ تحلیل و تجزیہ بھی کرتا جائے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے، کیوں پڑھ رہا ہے اور اس کا حاصل مطالعہ کیا ہے؟

### ii۔ مقاصد و اہداف

بعض اوقات آدمی نصوص کے مطالعے کی وسعت میں کھو جاتا ہے۔ وہ نصوص کو سمجھ بھی لیتا ہے مثلاً مغربی فکر و تہذیب کے تفصیلی تفہیمی مطالعے میں ایک شخص نے مغرب کی فکری تحریکوں کو پڑھا، اہم نظریات (Isms) کو دیکھا اور اہم فلسفیوں اور مفکروں کی آراء کا مطالعہ کیا۔ لیکن اس سب کا حاصل کیا رہا؟ اس مطالعے کے مختلف مراحل میں اس بات کا واضح اور دوٹوک جواب قاری کے سامنے آنا چاہیے کہ ان افکار کا ہدف اور مقصد کیا ہے؟ یہ کس طرح کا آدمی تیار کرتے ہیں اور یہ کس طرح کی تہذیب کو جنم دیتے ہیں؟

### iii۔ تضادات اور محدودات (Contradictions & Limitations)

تفہیمی مطالعے کے بعد اس کا تحلیلی تجزیہ کرتے ہوئے یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ آپ یہ افکار ایک مکمل اور مربوط نظامِ فکر اور نظامِ حیات دیتے ہیں یا ان میں باہم تضاد ہے کیونکہ فکری فطرییک سُو معاشرے کے قیام اور تہذیب کے نمو میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اسی طرح یہ افکار اگر آفاقی، ہمہ گیر اور ہمہ جہت نوعیت کے نہ ہوں بلکہ اپنی محدودیت (Limitations) کے قیدی ہوں تو یہ ایک آفاقی اور قابل عمل تہذیب کو جنم نہیں دے سکتے۔

### iv۔ اسلام اور مغرب کا تقابلی مطالعہ

اسلام اور مغربی فکر و تہذیب کے معروضی تقابلی مطالعے کے چار اصول ہو سکتے ہیں:

۱۔ علمی مطالعہ ۲۔ ماضی کے تجربات

۳۔ حال کا مشاہدہ ۴۔ قرآن و سنت کی رہنمائی

**۱۔ علمی مطالعے کا طریقہ:** یہ ہے کہ پہلے مغربی تہذیب کے ان بنیادی نظریات کا مطالعہ کیا جائے جو ان کے ورلڈ ویو اور فلسفۂ علم کا منبع ہیں جیسے ہیومنزم، سیکولرزم، لبرل ازم، میٹریل

ازم، کیپٹل ازم وغیرہ۔ ان بنیادی نظریات کے مطالعے کے بعد دیکھا جائے کہ ان سے کیا ورلڈ ویو (تصور انسان، تصورِ الٰہ اور تصورِ کائنات) وجود میں آتا ہے اور کون سا فلسفۂ علم ان سے ابھرتا ہے؟ پھر انہی تین مدارج کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی فکر کا مطالعہ کیا جائے کہ اس کے بنیادی نظریات کیا ہیں (توحید، رسالت، آخرت) اور ان سے کیا ورلڈ ویو سامنے آتا ہے اور ان سے کون سا فلسفۂ علم ابھرتا ہے؟ پھر ان تینوں سطحوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل رکھ کر دیکھا جائے کہ ان میں مشترکہ نکات کیا ہیں یا وہ کس حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں؟ اگر مشترکہ نکات (Similarities) زیادہ ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ ان میں باہم اخذ و استفادہ آسان اور ممکن ہے اور اگر ان میں اختلافات اور تضادات (Differences & Contradictions) زیادہ ہوں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ان میں باہم اخذ و استفادہ موزوں اور ممکن نہیں۔

۲۔ **ماضی کے تجربات:** عیسائیوں اور مسلمانوں میں حالات پُرامن اور دوستانہ رہے ہیں یا دونوں میں جنگیں ہوتی رہی ہیں (مسلم رومی کشمکش، صلیبی جنگیں اور پہلی جنگ عظیم کے بعد اہل مغرب کا مسلم علاقوں پر قبضہ اور انہیں غلام بنالینا)۔

۳۔ **حال کا مشاہدہ:** کیا اس وقت اہلِ مغرب اور اہلِ اسلام میں دوستانہ تعلقات ہیں یا مغرب نے اپنی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کا جینا محال کر رکھا ہے جیسے مسلم ممالک میں پرُامن مداخلت (جیسے قرضوں میں جکڑ کر معیشت تباہ کرنا، ثقافتی تعاون کے نام پر مسلم ذرائع ابلاغ کو کنٹرول کرنا، جمہوریت کے نام پر سیاسی عدم استحکام پیدا کرنا، اچھی صحت کے نام پر برتھ کنٹرول کے ذریعے مسلم آبادی کم کرنا....) اور اگر اس کے باوجود کچھ مسلم ممالک ترقی کر کے ابھرنے کی کوشش کریں تو ان پر جنگ مسلط کرنا (جیسے عراق، افغانستان، لیبیا، شام، یمن اور خود پاکستان میں)۔

۴۔ **قرآن وسنت سے رہنمائی:** اگر کسی معاملے میں قرآن وسنت کی رہنمائی موجود ہو تو ظاہر ہے مسلمان اپنے عقیدے اور ایمان کی رو سے اسے برضا ورغبت ماننے کے پابند ہیں جیسا

کہ قرآن وسنت میں کہا گیا ہے کہ کفار اور اہلِ کتاب کو دوست نہ بناؤ، وہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہیں اور تمہیں دین سے پھیرنا چاہتے ہیں....وغیرہ۔

**V۔ نقیض ہونے کی صورت میں رد**

کوئی بھی فکر اور تہذیب جو زندہ ہو اور زندہ رہنا چاہتی ہو تو اس کا ٹکراؤ جب کسی ایسی فکر وتہذیب سے ہو جو اس کی نقیض اور اس سے متضاد ہو تو اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اسے رد کردے۔ اور اگر ہم مغربی فکر وتہذیب کے تفہیمی، تحلیلی اور تنقیدی جائزے کے بعد اس نتیجے پر پہنچیں کہ مغربی فکر وتہذیب، اسلامی فکر وتہذیب کی نقیض ہے، اس سے متضاد ہے بلکہ اس کی مخالف اور دشمن ہے تو ہمارا اصولی اور منطقی موقف یہی ہونا چاہیے کہ ہم مغربی فکر وتہذیب کو رد کردیں۔ اسے علمی وفکری سطح پر بھی رد کردیں اور بطور تہذیب (اور دین) اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے عملاً بھی اسے خارج کردیں کیونکہ ایسا نہ کرنا ہمارے لیے باعث ضرر ہوگا۔ یہ بات علماء اور حکماء ہمیشہ سے کہتے آئے ہیں کہ انسانی رویوں، عادات اور اعمال کا انحصار اس کی فکر پر ہوتا ہے جب تک فکر میں یکسوئی اور پختگی نہ ہوگی وہ محرک عمل نہ بن سکے گی۔ اور فکر میں یکسوئی پیدا ہو نہیں سکتی جب تک ایک ہی طرح کے خیالات مسلسل دل ودماغ تک نہ پہنچیں۔ اگر ہم باہم متضاد خیالات (جیسا کہ اسلام اور مغربی فکر کے ہیں) اپنے دل ودماغ میں فیڈ (Feed) کرتے رہیں گے تو ایک مستحکم اور باکردار شخصیت جنم لے ہی نہیں سکے گی۔ لہٰذا متضاد خیالات کا دل ودماغ تک پہنچنا شخصیت کی تعمیر کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس امر کا ضرر رساں ہونا ظاہر وباہر ہے۔ لہٰذا مغربی فکر وتہذیب کے اسلام مخالف نظریات اور افکار کی مسلم دل ودماغ پر یورش مسلم شخصیت کے لیے انتہائی ضرر کا باعث ہے۔

اور یہ بات جو ہم عقلی اور نفسیاتی سطح پر کر رہے ہیں شریعت اسلامی نے اسے احکام وتعلیمات کی شکل دی ہے چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے کہ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ [آل عمران ۳:۸۵] اور یہ بھی کہ [الکافرون ۱۰۹:۶] یعنی ہمارے پاس ہمارا اپنا دین ہے لہٰذا تم اپنا دین اپنے پاس رکھو، ہمیں اس

کی ضرورت نہیں۔ اور یہ بھی کہ ہمیں طاغوت (اللہ کے مقابلے میں اپنی خدائی کا ڈنکا بجانے والوں) کو ٹھکرانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کلمہ پڑھ کر ہم ایمان لاتے ہیں یعنی "لا اله الّا الله محمد رسول اللهﷺ" اس میں ہم جھوٹے خداؤں کی نفی پہلے کرتے ہیں اور ایک اللہ کی عبادت واطاعت کا اثبات واعلان بعد میں، کیونکہ جھوٹے خداؤں کی نفی کیے بغیر ایک اللہ کی الوہیت کا اقرار واثبات بے معنی ہے۔

تاہم مغربی فکر وتہذیب اس وقت دنیا میں چونکہ غالب ہے اور اس کے علمبردار ممالک (امریکہ ویورپ) سیاسی، معاشی، ابلاغی، اسلحی، قانونی، تعلیمی، سائنسی.... غرض ہر لحاظ سے دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور وہ اپنے نظریات کو دنیا بھر میں غالب کرنے کے لیے کوشاں ہیں، اس لیے جو علماء اور سکالرز اسلامی فکر وتہذیب کی حمایت میں اٹھیں گے، منطقی طور پر ان کا انداز دفاعی ہوجائے گا یعنی وہ اسلامی فکر وتہذیب پر اہل مغرب کے اٹھائے ہوئے سوالات، شبہات اور اعتراضات کے جواب دینے میں لگ جائیں گے مثلاً یہ کہ اسلام انتہا پسندی اور دہشت گردی نہیں سکھاتا، اسلام آمریت اور جہالت کے خلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگرچہ ہم اپنی کمزوری اور نالائقی کی وجہ سے بعض اوقات اپنا فکری وعملی دفاع بھی موثر طریقے سے نہیں کر پاتے.... تاہم اپنے قارئین کی توجہ ہم اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارا اسلوب دفاعی کی بجائے ہجومی ہونا چاہیے۔ یعنی بجائے اس کے کہ ہم اسلام کے بارے میں مغرب کے اٹھائے ہوئے سوالات واعتراضات کا جواب دیتے پھریں، ہمیں آگے بڑھ کر خود اسلامی فکر کو مغرب تک پہنچانا چاہیے، اس کی منفرد خصوصیات ان تک پہنچانی چاہئیں اور انہیں یہ بتانا چاہیے کہ یہ کس طرح ان کے مسائل حل کرسکتا ہے اور ان کی زندگی کو خوشی اور اطمینان سے بہرہ ور کرسکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کے فکر ونظر کی خامیاں بھی ان پر واضح کی جائیں تاکہ وہ اپنے فکر کی خامیوں اور غلطیوں کا ادراک کرسکیں اور اسلام کی عظمت وحقانیت کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھ سکیں۔

تاہم یہ بھی واضح رہے کہ جب تک ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو عملاً اسلامی تعلیمات پر استوار نہیں کرتے اور منافقت سے باہر نہیں آتے محض ہماری وعظ ونصیحت (Lip

Servics) کسی کام آنے والی نہیں۔

## iv۔مغرب سے علمی وفکری استفادے کا امکان

کیا مسلمان مغربی فکر وتہذیب سے استفادہ کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کتنا؟ اس سوال کا جواب دو پہلوؤں سے دیا جا سکتا ہے۔ ایک نظری اور دوسرا عملی ۔ یہاں ہم نظری حوالے سے گفتگو کریں گے۔

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ تہذیب خواہ کوئی ہو اس کا ہر تصور(Concept) ، علم (Knowledge)اورادارہ(Institution)اس کے ورلڈ ویو اور فلسفۂ علم کی پیداوار ہوتا ہے۔اور ورلڈ ویو اور فلسفۂ علم کا منبع اس کے عقائد ونظریات کا بنیادی ڈھانچہ ہوتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر تصور،علم اور ادارہ اس تہذیب کے اصول واقدار کا حامل،مظہر اور ان کی پیداوار ہوتا ہے اور اسے ان اصول واقدار سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔یوں سمجھیے کہ ان تصورات، علوم اور اداروں کی حیثیت اگر جسم کی ہو تو ان اصول واقدار کی حیثیت ان کے اجسام میں دوڑتے خون کی سی ہوگی۔لہٰذا ظاہر ہے کہ وجود کو خون سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور نہ خون کے بغیر اس جسم کی بقاء کا سوچا جا سکتا ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر دو تہذیبیں اپنے بنیادی نظریات، ورلڈ ویو اور فلسفۂ علم میں ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہوں تو ایک تہذیب کے تصورات،علوم اور اداروں سے دوسری تہذیب استفادہ نہیں کر سکتی یا یوں کہیے کہ بہت کم استفادہ کر سکتی ہے۔ اور اس کم استفادے کا امکان بھی اس تہذیب کے علوم واداروں کے ان عملی پہلوؤں سے ہو سکتا ہے جو بڑی حد تک ValueNeutral ہوں اور انسانی تجربات کی پیداوار ہوں۔تاہم ایسے علوم اور ادارے بھی کچھ نہ کچھ (Value-Loaded)ضرور ہوں گے لہٰذا ضروری ہے کہ دوسری تہذیب انہیں لے کر ان میں ضروری تبدیلیاں کرے اور انہیں اپنے مزاج میں ڈھالے اور پھر انہیں استعمال کرے۔(جاری ہے)

اسلام اور پاکستان

ڈاکٹر محمد امین (۱)

# آئی ایس آئی چیف کے نام خط

گرامی قدر جنرل صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

❁ معاف کیجیے گا آپ کو مخاطب کر رہا ہوں جب کہ آپ مجھے نہیں جانتے اور میں آپ کو نہیں جانتا۔ تاہم میرے اور آپ کے درمیان ایک مشترک موضوع باہم دلچسپی کا ہے جس نے یہ سطور لکھنے پر مجبور کر دیا۔

پہلے مجھے خیال آیا تھا کہ یہ سطور آپ کو ایک خط کی صورت میں لکھ کر بھجوا دوں تاکہ بات میرے اور آپ کے درمیان رہے کہ آخر کو آپ ایک خفیہ ایجنسی کے سربراہ ہیں (اردو والے Intelligence Agency کا ترجمہ 'خفیہ ایجنسی' کرتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں؟) پھر میں نے سوچا کہ میں تو ایک سویلین ہوں اور میرے کوئی خفیہ معاملات نہیں ہیں اور جو بات میں آپ سے کہنے چلا ہوں وہ بھی نہ تو ذاتی ہے اور نہ ہی خفیہ۔

❁ ان سطور کا محرک ایک وڈیو کلپ بنا ہے جو چند دن پہلے ایک ٹی وی چینل نے آئی ایس آئی کے سابق ڈی جی جنرل حمید گل مرحوم کے انٹرویو کی صورت میں دکھایا۔ اس میں جنرل گل صاحب نے کہا کہ تاریخ صرف یہی نہیں کہے گی کہ آئی ایس آئی کی وجہ سے روس کو افغانستان میں شکست ہوئی اور وہ ٹوٹ گیا بلکہ تاریخ یہ بھی کہے گی کہ آئی ایس آئی کی وجہ سے امریکہ کو افغانستان میں شکست ہوئی اور وہ ٹوٹ گیا۔ میں آپ کو یہ خط نہ لکھتا اگر جنرل حمید گل اتنی ذمہ دار پوسٹ پر (ماضی میں) فائز رہنے کے باوجود یہ بات پبلک طور پر نہ کہتے۔ اگر ان جیسا آدمی یہ بات پبلک طور پر ڈسکس کر سکتا ہے تو پھر میرے جیسے ایک پروفیسر اور ایڈیٹر کے اس موضوع پر بات کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہونا چاہیے۔

❁ میں اپنے بارے یں چند جملے خود ہی لکھ دوں تاکہ آپ کو اپنے عملے سے میرے بارے میں انکوائری نہ کروانی پڑے۔ میری عمر ۷۱ سال ہے۔ پیشے کے لحاظ سے علوم اسلامیہ کا پروفیسر ہوں اور آج کل ایک پرائیویٹ یونیورسٹی میں پڑھاتا ہوں۔ ۳۰ کتابوں اور بہت

(۱) فون: 0300-4354673۔ ای میل ermpak@hotmail.com

سے تحقیقی مضامین کا مصنف ہونے کے علاوہ ماہنامہ البرہان لاہور کا ایڈیٹر ہوں جس کی عمر ۸ سال ہے۔ یہ ایک علمی اور فکری جریدہ ہے جو زیادہ تر تین موضوعات پر فوکس کرتا ہے: تعلیم وتربیت، مغربی فکر وتہذیب اور 'اسلام اور پاکستان'۔ پڑھنے، سوچنے اور لکھنے کے علاوہ اصلاحِ تعلیم اور دینی قوتوں میں کم از کم علمی وفکری سطح پر اتحاد کے لیے مقدور بھر کوشاں رہتا ہوں۔ مَیں معروف مفہوم مَیں صحافی بھی نہیں ہوں اور نہ کسی سیاسی یا دینی جماعت سے میری وابستگی ہے۔ خاندانی لحاظ سے ضلع گجرات کا رہنے والا ہوں اور کشمیری راجپوت خاندان سے میرا تعلق ہے۔

میں طبعاً ریسرچر ہوں۔ لوگوں سے میل ملاقات اور رابطے نہیں رکھتا۔ چنانچہ سیاسی، دینی، سماجی، فوجی.... قائدین میں سے کسی سے رابطے میں نہیں ہوں۔ تاہم اللہ کا شکر ہے کہ دل بیدار اور فہم رسا سے محروم نہیں ہوں۔ چیزوں کو Taken for granted نہیں لیتا۔ تجزیہ وتحلیل وتنقید سے کام لیتا ہوں اور روٹین سے ہٹ کر سوچ سکتا ہوں۔ یہ سطور لکھتے ہوئے مجھے آپ سے ڈر بھی محسوس نہیں ہوا کیونکہ الحمدللہ مَیں کبھی کسی غیر قانونی اور غیر اخلاقی سرگرمی میں ملوث نہیں رہا اور نہ میرے پاس چھپانے کو کچھ ہے۔

❁ میری اور آپ کی مشترکہ دلچسپی کا موضوع 'اسلام اور پاکستان' ہے۔ اسلام اس لیے کہ الحمدللہ آپ بھی مسلمان ہیں اور اسلام کا غلبہ آپ کی بھی آرزو ہونی چاہیے۔ دوسرے پاکستان، جس میں نہ صرف آپ اور مَیں بلکہ اس خطے کے ۲۲ کروڑ مسلمان رہتے ہیں اور جس کی بقا واستحکام میری اور آپ کی بلکہ ہم سب کی مشترکہ آرزو اور ذمہ داری ہے۔

❁ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا منصب عطا فرمایا ہے اور آپ کے اختیارات بے حد وحساب ہیں تاہم یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ بہر حال ایک ادارے کے سربراہ ہیں جس کی کچھ حدود ہوں گی اور جس کا کچھ دائرہ کار ہوگا۔ اور چونکہ میں اس کی تفصیل سے باخبر نہیں ہوں اس لیے اگر آپ سے کچھ ایسی توقعات وابستہ کرلوں جو آپ کے دائرہ کار میں نہیں آتیں تو امید ہے آپ درگزر سے کام لیں گے۔

❁ جناب جنرل صاحب! مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں یا یوں کہیے کہ اپنے کچھ احساسات آپ تک پہنچانے ہیں:

میں اگر ان دینی اور سیاسی لوگوں کے دلائل رد کردوں جو بوجوہ فوج کی مخالفت کرتے

ہیں اور یہ بھی ذہن میں رکھوں کہ ایک خفیہ ایجنسی کو بعض اوقات وہ کچھ کرنا پڑتا ہے جو بظاہر اس کے حقیقی مقاصد کے مطابق نہیں ہوتا اور جنرل حمید گل والی بات سامنے رکھوں کہ افغانستان میں اہل مغرب کی شکست آپ کے ادارے کی طے کردہ سٹریٹجی کا نتیجہ ہے تو میرا فرض بنتا ہے کہ مَیں آپ کو، آپ کے ادارے کو، آپ کے ادارے کے پالیسی سازوں کو، آپ سے پہلے کے آپ کے ادارے کے سربراہوں کو اور پاک فوج کی قیادت کو مبارکباد پیش کروں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی عطا فرمائی اور آپ نے آدھا مقصد حاصل کرلیا اور امریکہ اور نیٹو کو افغانستان میں شکست دلوادی۔ یہ ایک محیر العقول اور انتہائی شاندار کامیابی ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میں اس کے لیے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جو سب سے بڑا خراج تحسین پیش کرسکتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ اس راہ میں کام آنے والے شہیدوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے اور غازیوں کا اجر اپنی جناب میں محفوظ رکھے۔ آمین یا ربّ العلمین.

امید ہے کہ آپ اس مقصد کے دوسرے حصے کے لیے بھی کوشاں ہوں گے اور مَیں صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ آپ لوگوں کو اس میں بھی جلد اور مکمل کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

جنرل صاحب! مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ اتنی عظیم الشان کامیابی قربانیوں کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی تھی۔ تاہم اس بات پر غور کرنے اور سوچنے میں کوئی ہرج نہیں کہ آپ نے اس کامیابی کی کیا قیمت چکائی ہے اور کیا وہ معقول اور ناگزیر تھی اور اس سے بچنا ممکن نہیں تھا؟ یا اس پر نظر ثانی کی گنجائش تھی اور ہے.... کیونکہ اس پالیسی پر عمل آج بھی جاری ہے۔ اس ضمن میں میرے ذہن میں تین باتیں آتی ہیں:

**ایک:** آپ کی اس کامیابی کے لیے قوم نے ۷۰ ہزار جانوں کی قربانی دی ہے اور اربوں کھربوں کا مالی نقصان برداشت کیا ہے جس نے ملکی معیشت کی چولیں ہِلا کر رکھ دی ہیں۔

**دوم:** یہ کہ امریکی دباؤ میں آکر آپ کو سرحدی قبائلی علاقوں میں آپریشن کرنا پڑا جس سے وہاں کے عوام میں بے چینی پیدا ہوئی۔ دشمنوں نے اس بے چینی کو کیش کرایا، انہیں اسلحہ دیا، تربیت دی، ڈالر دیے اور انہیں پاکستان کے خلاف استعمال کیا اور آج بھی کر رہے ہیں؟

**سوم:** یہ ماننا پڑے گا کہ پاکستان کی بقاء واستحکام کا انحصار اپنے نظریۂ حیات (اسلام)

سے جڑے رہنے میں ہے۔ یہ ایک عالمگیر طور پر تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کوئی قوم اپنے نظریۂ حیات کی خلاف ورزی کر کے زندہ نہیں رہ سکتی اور اس کی کامیابی اور غلبے کا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ مَیں یہ بات ایک جذباتی مسلمان ہونے کی حیثیت سے نہیں کہہ رہا بلکہ میرے نزدیک یہ ایک سائنسی، معروضی اور قوموں اور تہذیبوں کی تاریخ میں ایک آزمودہ (Tested) حقیقت اور سٹریٹجی ہے کہ کوئی قوم اپنے نظریۂ حیات سے غداری کر کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس کی قوت، کامیابی، عزت، عظمت اور غلبے کا راز اس امر میں مضمر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریۂ حیات سے جڑ جائے اور جڑی رہے۔

اگر اس اصول کو ذہن میں رکھا جائے تو امریکہ و یورپ افغانستان میں شکست کھانے کے باوجود اس لحاظ سے کامیاب نظر آتے ہیں کہ وہ پاکستان میں اپنی ملحدانہ فکر و تہذیب خصوصاً سیکولرزم و لبرل ازم ایکسپورٹ کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ میڈیا، تعلیم اور دوسرے بہت سے شعبہ ہائے حیات میں امریکہ و یورپ نے پاکستان میں کامیاب سرمایہ کاری کی ہے، لوگوں اور اداروں کو خریدا ہے اور وہ معاشرے کے اصول و اقدار کی توڑ پھوڑ میں کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ کیا آپ لوگوں نے کبھی سوچا ہے کہ یہ بھی ایک محاذ ہے جس پر پسپائی برداشت نہیں کی جا سکتی اور یہ بھی خطرے کی ایک نشانی ہے؟ آئی ایس آئی اور ہماری فوج اپنی کارکردگی اور پیشہ ورانہ مہارت کی وجہ سے اگر دنیا میں سرفہرست ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی اخلاقی بنیاد (base) مضبوط ہے۔ اگر قوم ہی نظریاتی اور اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو گئی اور اپنے اصول و اقدار سے ہٹ گئی تو قوم کی حمایت کے بغیر فوج اور آئی ایس آئی کیا کر لے گی؟

❁ جنرل صاحب! مَیں محسوس کرتا ہوں کہ میرا خط کافی لمبا ہو گیا ہے، تاہم مَیں اپنے احساسات آپ تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اللہ کرے یہ خط کسی طرح آپ تک پہنچ جائے۔ آپ جیسے مصروف آدمی سے مَیں یہ توقع تو نہیں کرتا کہ آپ مجھے ملاقات کا موقع دیں گے یا ذاتی طور پر یا ادارے کی طرف سے اس خط کا جواب بھجوائیں گے۔ تاہم اگر یہ سطور آپ کی نظر سے گزر جائیں اور ایک محب اسلام اور محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے میرے احساسات آپ تک پہنچ جائیں تو میرے لیے یہ بھی کافی ہے۔

آپ کی صحت، عافیت اور دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے دعا گو،

(پروفیسر ڈاکٹر محمد امین) مدیر البرہان، لاہور

اسلام اور پاکستان　　　ڈاکٹر محمد امین

# سانحۂ قصور
## بنیادی حقائق جن کی طرف کسی کی توجہ نہیں

سانحۂ قصور کی ہر کوئی مذمت کررہا ہے جو اچھی بات ہے کہ یہ واقعہ ہے ہی قابل مذمت اور اس طرح کی صورت حال کو کسی مسلم معاشرے میں برداشت نہیں کیا جا سکتا اور نہیں کیا جانا چاہیے.... لیکن مذمت سے آگے بھی کچھ انتہائی ضروری باتیں سوچنے کی ہیں جن کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا۔ ہر کوئی اس واقعے کی مذمت کررہا ہے لیکن یہ کوئی نہیں سوچ رہا کہ یہ واقعہ کیوں رونما ہوا اور اس طرح کے واقعات پاکستانی معاشرے میں کثرت سے کیوں رونما ہونے لگے ہیں؟

**اوّل:** ہماری رائے میں اس کے اسباب یہ ہیں:

۱۔ اس کا بڑا ذمہ دار الیکٹرانک اور سوشل میڈیا ہے جس نے عریانی، فحاشی اور بے راہ روی پھیلانے کی انتہا کردی ہے۔ ہمارے ٹی وی چینلز اس کے ذمہ دار ہیں۔ نوجوان کثرت سے سوشل میڈیا پر ننگی فلمیں دیکھتے ہیں لیکن اس کے تدارک کی کسی کو فکر نہیں۔

۲۔ مغرب زدہ تعلیم نے نسلِ نو کا بیڑہ غرق کردیا ہے۔ پہلے مخلوط تعلیم اور انگریزی زبان (اور انگریزی کلچر) کا راج یونیورسٹیوں تک محدود تھا، اب وہ سکول لیول تک پہنچ گیا ہے۔

۳۔ معاشرے میں مغربی اقدار کو فروغ حاصل ہورہا ہے اور اسلامی اقدار پیچھے دھکیل دی گئی ہیں۔

۴۔ یہ صورتِ حال نہ اچانک پیدا ہوئی ہے اور نہ خود بخود پیدا ہوگئی ہے بلکہ اس کے پیدا کرنے والے اور پاکستان میں لبرل ازم اور سیکولرازم پھیلانے والے ہمارے حکمران ہیں، عدلیہ ہے، فوج ہے، بیوروکریسی ہے۔ یہ سب مغرب زدہ ہیں، مغرب (خصوصاً امریکہ) سے مرعوب ہیں، اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور جو امریکہ چاہتا ہے وہ ان سے کراتا ہے اور یہ خوشی سے کرتے ہیں بلکہ ان میں مسابقت ہے کہ کون بڑھ چڑھ کر امریکی غلامی کرتا ہے۔

۵۔ اس کے ذمہ دار ہمارے دانشور، صحافی اور پروفیسر تو ہیں ہی ہمارے علماء کرام بھی اس صورت حال کے ذمہ دار ہیں جنہیں اس بدترین صورت حال کی اصلاح کی کوئی فکر نہیں اور وہ دوسرے بہت سے غیر اہم کاموں میں مصروف ہیں مثلاً مسلک پرستی، فرقہ واریت، غیر مناسب تعلیم، بے سود سیاسی جدوجہد وغیرہ۔

۶۔ اس کے ذمہ دار معاشرے کے سارے دین دار لوگ ہیں بلکہ اس کا ذمہ دار سارا معاشرہ ہے جو اس صورت حال کو، ظلم وستم کو اور بے دینی کے طوفان کو بے حسی سے برداشت کر رہا ہے، اس کے خلاف اٹھ کھڑا نہیں ہوتا اور اس کی مزاحمت نہیں کرتا۔

دوم: زینب کے روح فرسا قتل پر قصور شہر میں اور دوسرے شہروں میں جو عوامی ردعمل سامنے آیا اور احتجاج ہوا وہ اسلامی لحاظ سے بہت حوصلہ افزا ہے۔ اس میں ہمارے سیکولر، لبرل اور مغرب زدہ سیاستدانوں، عدلیہ، فوج، بیوروکریسی، میڈیا اور ان سب لوگوں کے لیے جو مغرب کے فکری غلام ہیں اور پاکستانی معاشرے میں مغربی اصول واقدار پھیلانا چاہتے ہیں، یہ سبق ہے کہ وہ اپنے رویے سے باز آجائیں۔ یہ قوم کبھی اور کسی حال میں مغربی فکر وتہذیب کو قبول نہیں کرے گی۔ اور اسے اسلامی اصول واقدار سے منحرف کرنا اور دور کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے لہٰذا وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔

**سوم:** اس میں سبق ہے دینی قوتوں کے لیے۔ وہ سوچیں کہ عوام آج بھی اسلامی اصول واقدار کو چاہتے ہیں۔ دینی قوتوں میں اگر فراست ہوتی تو وہ اس واقعہ کو پاکستان میں اسلام پر عمل کی اور بے دینی کے خلاف جدوجہد کی تحریک بنا دیتے اور یہ آج بھی ممکن ہے لیکن وہ بصیرت، اتحاد اور قوت عمل سے محروم ہیں۔ کچھ کو پارلیمنٹ میں چند نشستوں اور چند وزارتوں کی فکر ہے (یہ سوچے بغیر کہ اگر انہیں یہ چند نشستیں اور چند وزارتیں مل بھی گئیں تو اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوگا؟) اور کچھ لوگ اپنے اپنے مسلک اور فرقے کے مدرسے اور مسجدیں چلا رہے ہیں۔ وہ اپنی اس فرقہ واریت پر خوش اور مطمئن ہیں کہ انہوں نے کچھ طالب علموں اور کچھ مقتدیوں کے لیے نیکی کا ایک جزیرہ بنا رکھا ہے۔ وہ کیوں نہیں سوچتے بلکہ انہیں کیوں نظر نہیں آتا کہ مغربیت کا سیلاب سب کچھ بہائے لیے چلا جا رہا ہے اور قرائن سے واضح ہے کہ ان کی مسلکی نیکیوں کے اس جزیرے کو وہ کسی بھی وقت بہا لے جائے گا۔ کاش وہ

اپنی مسلک پرستی سے نکلیں، دین اور شریعت پر متحد ہوجائیں۔ وہ موجودہ واقعے کو ایک تحریک بنا دیں اور اس دوران ان کا تھنک ٹینک خاموشی سے پیچھے بیٹھ کر پلاننگ کرے کہ کس طرح تدریج سے عوام کو اسلام پر عمل کی کال دی جائے اور مغربی فکر وتہذیب کی الحاد، بے دینی اور اس کی علمبردار قوتوں کے غلبے سے جان چھڑائی جائے.... تاکہ لوگ دین پر عمل کرنے لگیں، معاشرے کی اصلاح ہوجائے اور ریاست بھی دینی تقاضوں پر عمل پیرا ہوجائے۔

کاش ہماری اسٹیبلشمنٹ، ہمارے دانشور اور ہمارے علماء کرام ان گزارشات پر غور فرمائیں اور عمل کریں۔ **وآخر دعونا ان الحمد للہ ربّ العلمین.**

---

## بقیہ: ملکی سیاست سے اخلاقیات کی رخصتی

یہ تو صرف ایک واقعہ ہے کہ جس میں ایک عزت دار کی پگڑی اچھالی گئی ہے۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ سوشل میڈیا پوسٹس اور بیانات وتقاریر کے ذریعے اخلاقیات کا جنازہ نکالا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی تو ایسی پوسٹ بھی آتی ہے کہ کسی رہنما کی تصویر کے ساتھ یہ تک لکھ دیا جاتا ہے کہ ''لعنت بھیج کر شیئر کریں''۔ جی ہاں ہر کوئی دوسروں پر طعن وتشنیع اور لعنتیں بھیجنے میں مصروف ہے۔ بعض دینی جماعتوں کے کارکنوں میں بھی یہ زہر تیزی سے سرایت کرتا جا رہا ہے۔ برداشت اور صبر وتحمل رخصت ہو رہی ہے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا رواج ہے اور بڑے بڑے لیڈرز اس بیماری کا شکار بن رہے ہیں۔ یہ الیکشن کا سال ہے اور سیاسی حرارت ملک میں آگ لگا رہی ہے۔ سیاسی اختلاف ہونا بری بات نہیں لیکن اس کو لے کر دوسرے کو طنز، طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا حتی کہ گالیوں پر اتر آنا انتہائی خطرناک رجحان ہے جسے روکنا ہوگا ورنہ یہ آگ ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور جب سیاسی بادل چھٹیں گے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ ہمارے ہاتھ کچھ بھی نہیں آیا۔ صرف وہ تلخ یادیں ہوں گی، عزیز دوستوں کے بچھڑنے کے قصے ہوں گے اور معزز شخصیات کی پگڑیاں اچھالنے کی ندامت ہوگی۔ کاش! ہمارے سیاسی، دینی اور سماجی رہنما اس طوفان بدتمیزی کا احساس کریں اور نوجوان نسل تحمل، برداشت اور عزت و احترام سے اختلاف کرنا سیکھ جائے کاش ہماری سیاست اخلاقیات کی پابند ہو۔ کاش ہم سیاسی ودیگر اختلافات کو نفرت ودشمنی میں بدلنے سے پرہیز کرنا سیکھ جائیں۔

اسلام اور پاکستان

محمد عاصم حفیظ[۱]

# ملکی سیاست سے اخلاقیات کی رخصتی

ارض پاک کو ان دنوں جن سنگین مسائل کا سامنا ہے ان میں سے شاید سب سے اہم اخلاقی گراوٹ ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم اخلاقیات سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔ معمولی تنازعات اور سیاسی وفکری اختلافات کو لے کر غیر اخلاقی جملے بازی حتی کہ گالی گلوچ تک سے گریز نہیں کیا جاتا۔ یہ الیکشن کا سال ہے اور ملک کا سیاسی درجہ حرارت عروج پر ہے۔ سوشل میڈیا نے ہر ایک کو اظہار خیال کا موقع فراہم کیا ہے جس کی آڑ میں ہر کوئی جب چاہے، جو چاہے کہنے کا اختیار رکھتا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ سیاسی وسماجی رہنماؤں کو اس کا احساس تک نہیں بلکہ بعض تو گالی گلوچ کو معمول بنا بیٹھے ہیں۔ ان کی تقریر پُر جوش ہی نہیں ہوتی جب تک وہ کسی مخالف پر طنز کے تیر نہ چلائیں اور سخت جملے بول کر عوام کو اس کے خلاف نہ اکسائیں۔ کبھی وقت ہوتا تھا جب عمر، تعلیم، رشتے اور وضع داری کا پاس کرتے ہوئے کسی کے خلاف کچھ برا کہنے سے پرہیز کیا جاتا تھا لیکن یہ سب ماضی کی بات ہے۔ چند روز پہلے شیخ رشید جنوبی پنجاب گئے تو تنقید کے لئے انہیں اور کوئی نہ ملا تو حلقے سے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہونے والے وفاقی وزیر ڈاکٹر حافظ عبدالکریم کے بارے میں بے ہودہ زبان استعمال کی۔

یہ کتنا خطرناک رجحان ہے کہ جو چند افراد کا جلسہ کرتا ہے وہ طاقت کے نشے میں چور ہو کر جسے چاہے جو چاہے کہہ ڈالتا ہے۔ جبکہ انہیں حافظ صاحب کا نام بھی ٹھیک سے معلوم نہیں تھا اور نہ وہ یہ جانتے تھے کہ حافظ صاحب بیت اللہ شریف میں قرآن پاک پڑھاتے رہے ہیں اور علاقے میں کئی دینی ورفاہی منصوبے چلا رہے ہیں اور ان کا جرم صرف اتنا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کے حامی ہیں۔ (باقی صفحہ نمبر: ۳۵)

---

[۱] asimmas27@gmail.com

فہم دین　　　　سمیع اللہ بٹ

# جاوید احمد غامدی: شخصیت اور فکر.... ذاتی مشاہدات

## مولانا مودودیؒ اور مولانا اصلاحی کے ساتھ وصل و فصل کی داستان
## تجدید و احیائے دین کی تاریخ کا ایک گُم شدہ باب

### تعارف

سمیع اللہ بٹ صاحب تحریک اسلامی کے پرانے رفیق ہیں۔ وہ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامک سٹڈیز ہیں اور اسلامی جمعیت طلبہ لاہور کے ناظم رہ چکے ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں انہوں نے جماعت کی رکنیت اختیار کی اور اس کے ساتھ مختلف ضلعی اور صوبائی ذمہ داریاں سرانجام دیں۔ کچھ عرصہ وہ ثریا عظیم (وقف) ہسپتال لاہور میں بطور ایڈمنسٹریٹر تعینات رہے۔ رحمان پورہ میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے پڑوس میں اُن کی رہائش تھی۔ مولانا کے ساتھ اُن کا جو تعارف اور تعلق زمانہ طالب علمی سے پیدا ہوا وہ مولانا کی زندگی کے آخری سانس تک قائم رہا۔ رحمان پورہ میں وہ مولانا کے حلقہ تدبر قرآن کے اولین شرکاء میں شامل تھے۔ مولانا رحمان پورہ کی جس مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے تھے، بٹ صاحب اُس میں باقاعدگی سے شرکت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

سمیع اللہ بٹ صاحب مولانا مودودیؒ کی عصری مجالس میں بھی باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ اُن کے ساتھ بٹ صاحب کا نیازمندانہ اور مخلصانہ تعلق تھا۔ ایک مدت تک وہ مولانا اصلاحیؒ کی صبح کی سیر کے ہمراہی ہوتے تھے۔ جماعت چھوڑنے کے بعد اگرچہ ذاتی فاصلے بڑھ گئے تھے تاہم مولانا اصلاحیؒ اور مولانا مودودیؒ کے درمیان جب کبھی رابطے یا پیغام رسانی کی ضرورت پیش آئی تو وہ خدمت بٹ صاحب نے احسن طریقے سے سرانجام دی۔ مولانا اصلاحیؒ اپنے مخصوص انداز میں بٹ صاحب کو اپنے دونوں کے درمیان Bridge (پُل) بھی کہتے تھے۔

جاوید احمد غامدی صاحب اپنے افکار اور اپنی گفتار کے سبب اس وقت ملک کے مذہبی طبقوں کی ایک متنازعہ اور پرت دار شخصیت ہیں، ایسی پرتیں جیسی پرتیں پیاز کو میسر ہوتی

ہیں۔وہ کیسے شفیق احمد سے علامہ جاوید احمد غامدی بنے اور گڑھی شاہو سے کیونکر ملیشیا جا نکلے، یہ ایک دلچسپ اور پہلودار داستان ہے۔ سمیع اللہ بٹ صاحب چونکہ بعض راز ہائے دروں سے واقف ہیں اور اُنہیں ملک کی دوممتاز علمی شخصیتوں کے قریب رہنے کا موقع ملا ہے جن کے ساتھ غامدی صاحب بوجوہ وابستہ بلکہ پیوستہ رہے، اس لئے یہ قال کے ساتھ ساتھ بٹ صاحب کا آنکھوں دیکھا حال بھی ہے۔

جاوید احمد غامدی صاحب لاہور میں طویل قیام اور اپنی جماعتی شہرت کے باوجود بہت دیر کے بعد مولانا اصلاحیؒ سے شناسا و معتقد ہوئے۔ اگرچہ تفسیر تدبر قرآن اور فکر فراہی کی اشاعت کا تو ۱۹۵۹ء سے پہلے ماہنامہ میثاق لاہور میں قسط وار آغاز ہو چکا تھا۔ پھر تدبر قرآن کی پہلی جلد کب کی اشاعت پذیر ہو چکی تھی جس کی سعادت مولانا کے ایک دوسرے سابق شاگرد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مرحوم نے حاصل کی تھی۔ مولانا اصلاحیؒ کی زندگی میں ان کا متعین جانشین اور علمی وارث گو ان دونوں حضرات میں سے کوئی بھی نہ بن سکا۔

مولانا اصلاحیؒ کی سرپرستی میں مولانا خالد مسعود مرحوم نے ادارہ تدبر قرآن وحدیث کو منظم کیا۔ مولانا اصلاحیؒ کے وہ شاگرد جنہوں نے برس ہا برس ان سے ایک نصاب کے مطابق عربی زبان اور ادب کے ساتھ تفسیر، حدیث اور فقہ پڑھیں۔ اُن کے لیکچر سُنے ،مولانا کی تصانیف کی پروف ریڈنگ کی اور مختلف علمی اور تفسیری کاموں میں معاونت کی اُن میں ممتاز ترین شاگرد مولانا خالد مسعود صاحب تھے۔ غامدی صاحب اس ادارے کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ غامدی صاحب کبھی بھی مولانا اصلاحیؒ کے رسمی یا دیگر اصحاب کی طرح باقاعدہ شاگرد نہیں رہے۔ وہ اصل میں مولانا کے سامع اور کبھی کبھی مولانا کی مجالس کے شریک اور ناظر ضرور رہے ہیں۔ لیکن وہ اپنی سرشت کے مطابق ایسے کاموں سے باز نہ آئے جنہیں بدہضمی اور بدنیتی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اُن کی کوشش رہی کہ وہ ادارے کو اپنے سرمائے اور رسوخ کے بل بوتے پر اس منہج پر لے اُڑیں جو اُن کے وحیدی فکر (بحوالہ مولانا وحید الدین خان صاحب) سے پیدا ہوا ہے۔ اس رویے کے پیش نظر ادارہ تدبر قرآن وحدیث نے غامدی صاحب کو بالآخر شوکاز نوٹس کے بعد ایک متفقہ فیصلے کے تحت ادارہ سے نکال باہر کیا۔ غامدی صاحب کا یہ اخراج اس وقت وقوع پذیر ہوا جب ادارہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی سرپرستی میں کام

کررہا تھا اور تمام اُمور اُن کے علم میں تھے۔ ادارہ کے تحت مولانا اصلاحیؒ قرآن وحدیث اور دیگر فنون پر لیکچر دیتے تھے۔ ان کی بیرونی سرگرمیاں اور ایسے پروگراموں کی تشکیل وترتیب کا کام ادارہ تدبرقرآن وحدیث کے ناظم مولانا خالد مسعود مرحوم سرانجام دیتے تھے۔ اس اعتبار سے غامدی صاحب کا مولانا اصلاحیؒ کے حلقہ تدبرقرآن سے اخراج اُن کے ساتھ قطع تعلق کا ایک مستند ثبوت ہے۔

(صاحبزادہ ڈاکٹر انوار احمد بگوی)

اس تحریر یا مقالہ کے ذریعے ہم جن خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں عنوانِ بالا اس کے مفہوم ومدعا کی بخوبی ترجمانی کرتا ہے۔ تاریخی حوالے سے یہ موضوع کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو اور دعوتِ دین اور اس کے احیاء کا کام کرنے والے صاحبانِ عزیمت کے لئے اس میں عبرت و موعظت کا کیسا ہی کچھ سروسامان کیوں نہ ہو، ہمارے لئے اس داستاں کو بیان کرنا اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا خاصا دشوار، ناخوش گوار اور تکلیف دہ عمل تھا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اس کہانی یا داستان پر ویسے ہی نصف صدی کا عرصہ بیت رہا ہے۔ اس کے کئی اہم کردار اس دوران اپنی مہلتِ عمر پوری کر کے اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ نیز دین کے نام پر حاصل کیا گیا یہ ملک اول روز سے ہی دینی قوتوں اور مذہبی طبقات کی باہمی آویزش کی آماج گاہ بنا ہوا ہے اور ہماری طبیعت بھی اس کام سے ابا کرتی ہے لہٰذا ایسے متعدد وجوہ اب تک اس امر میں مانع رہے کہ ہم اس موضوع پر کوئی خامہ فرسائی کریں، لہٰذا ہم نے اس مسئلے پر اب تک لب کشائی پر سکوت کو ترجیح دی۔ جب کہ فریقِ ثانی شروع دن سے اب تک موقع بموقع کچھ نہ کچھ کہتا اور لکھتا چلا آ رہا ہے جس میں حقائق کو مسخ کرنے اور تاریخ کا منہ چڑانے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین وسامعین کے سامنے حالات وواقعات کی یک رخی تصویر اب تک پیش ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ دینی تاریخ کی جدوجہد کا یہ باب اب تک حقائق سے ناآشنا نا تمام و نامکمل ہی رہا۔ اِدھر کچھ عرصہ قبل میرے ایک عزیز دوست کی نشاندہی پر انٹرنیٹ پر موجود ایک تحریر میرے مطالعہ ومشاہدہ میں آئی اور اس کے بعد موضوع ہذا سے متعلقہ کچھ چیزیں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی تحریرات وتصنیفات میں پڑھنے کو ملیں۔ اس کے بعد مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ اس حوالے سے اب تک ہم پر تاریخ کا جو قرض چلا آ رہا ہے اسے چکانے میں اب مزید تاخیر نہیں کرنی چاہئے اور لوگوں کے سامنے

تصویر کا دوسرا رُخ بھی پیش کر دینا چاہیے اس کے بعد حق و ناحق کا فیصلہ قارئین کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اس پس منظر میں اس تاریخ کے ایک عینی شاہد اور اہم کردار ہونے کے ناطے ہم درج ذیل سطور سپردِ قلم کر رہے ہیں۔

انٹرنیٹ پر ’’ہم سب‘‘ ویب سائٹ کو اگر آپ کھولیں تو ’’جاوید احمد غامدی یادِ یارِ مہرباں‘‘ کے عنوان سے ایک تحریر آپ کو پڑھنے کو ملے گی جو یادداشتوں کا ایک مجموعہ ہے اور جسے جاوید احمد غامدی صاحب کے ایک شاگرد رشید اور اُن کے علمی رفیق کار جناب پروفیسر ساجد علی صاحب نے رقم فرمایا ہے۔ غامدی صاحب اور اُن کی شخصیت سے ہم اُس وقت سے متعارف چلے آ رہے ہیں جب اس نام سے وہ خود سے بھی معلوم و متعارف نہ تھے بلکہ اُن سمیت اُن کا حلقہ تعارف اُنہیں شفیق احمد کے نام سے جانتا اور پہچانتا تھا۔ یہ شفیق احمد صاحب پہلے جاوید احمد بعد ازاں جاوید احمد غامدی کے نام سے مشہور ہوئے۔ علمی شہرت اور دانشوری کے حوالے سے یہ نام اُن کے ارادت مندوں کے نزدیک اب بھی ناکافی اور ناموزوں تھا لہٰذا اُن کے جامع اور وقیع تعارف کے لئے اُن کے نام کے ساتھ علامہ کے خطاب کا مزید اضافہ کیا گیا۔ اس طرح شفیق احمد صاحب رفتہ رفتہ اور بتدریج علامہ جاوید احمد غامدی کے نام والقاب سے ملقب ہوئے۔ یہ سب کچھ ہمارے ذہن کی اختراع نہیں بلکہ مذکورہ ویب سائٹ میں آپ کو ساجد علی صاحب کی یادداشتوں میں ملے گا۔ ہم علامہ جاوید احمد غامدی صاحب کے بچپن، لڑکپن اور زمانہ طالب علمی سے کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتے البتہ جب اُنہوں نے عملی زندگی کی ابتداء کی اور سال وسن کے اعتبار سے وہ کوئی بیس بائیس برس کے پیٹے میں ہوں گے تو اُن کے جوان جذبوں نے انگڑائی لی اور اسلامی انقلاب کے تصور کا سودا اُن کے سر میں سمانے لگا جس کے لئے وہ ہر پل بے چین و مضطرب رہنے لگے۔ اسی کشمکش، پیچ وتاب اور سوز وساز میں اُنہوں نے اپنے کالج اور گرد و پیش کے ماحول میں نوجوانوں سے میل جول اور ربط وضبط بڑھانا شروع کر دیا جس سے اُنہیں نوجوانوں اور مداحین کا ایک حلقہ میسر آ گیا۔ ایک روز اُن سب کو اکٹھا کر کے موصوف نے ایک تحریک، تنظیم یا حلقے کی بنیاد رکھی اور خود بحیثیت داعیٔ تحریک یا قائدِ تنظیم وحلقہ ان سے تاسیسی خطاب کیا۔ مولانا مودودی علیہ الرحمہ نے جماعت اسلامی کی تشکیل وتاسیس کے موقع پر جو خطاب کیا اور جو جماعت کی رودادوں میں محفوظ اور اُس کے ریکارڈ کا حصہ ہے، سے جاوید صاحب کے خطاب کا موازنہ اگر آپ کریں تو جاوید صاحب کے تاسیسی خطاب کو آپ

مولانا مودودی کے خطاب کا چربہ پائیں گے۔اس کام کے ساتھ ساتھ جاوید احمد صاحب ایک اکیڈمی، جامعہ یا دارالعلوم کا نقشہ پیش کرتے ہیں اور اُس کا ایک نصاب بھی تجویز کرتے ہیں۔

بیس بائیس برس کے اس طفلِ مکتب نے اس نصاب میں تمام علوم وفنون کی عربی، فارسی، انگریزی اور اُردو کتب کی ایک لمبی فہرست، جس کا طول وعرض قائدِ تحریک اور شیخ الجامعہ کی عمر کے طول وعرض سے کہیں زیادہ اور بڑا تھا، شامل کردی اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ ذخیرۂ علم اُن کی نگاہوں سے گزر چکا ہے۔اور اب وہ یہ لائبریری اور علمی ورثہ بطور اُستاد اور صاحبِ فن کے نژادِنو کو منتقل کریں گے۔اس سب کچھ کے لئے ملاحظہ کیجیے جاوید صاحب کے اُس وقت کا جاری کردہ مجلّہ ’’الحمراء‘‘۔اور یہ ساری باتیں اُس دور کی ہیں جب بقول ساجد علی صاحب، جاوید صاحب کی ابھی بھرواں داڑھی بھی نہ آئی تھی۔ جاوید غامدی صاحب کی شخصیت کو اگر آپ اُن کی تحریروں بالخصوص وہ تحریریں جو اوائل عمر میں اُنہوں نے لکھیں، کے آئینے میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں تو اُن کی شخصیت کا عجیب وغریب ہیولا ذہن میں قائم ہوتا ہے اور وہ مجموعہ اضداد نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کی چند عبقری شخصیات سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں، پھر اُن جیسا بننے بلکہ ویسا ہی اپنے آپ کو باور کروانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

موصوف نے زمانہ طالب علمی ہی سے شعر وسخن کا ذوق پایا اس لئے شعر بھی کہتے ہیں۔ شاعری میں علامہ اقبال سے اس قدر متاثر کہ اُنہی کے رنگ وآہنگ میں نوا سنجی فرماتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو پڑھا تو اُن میں ایسے گم ہوگئے کہ اپنی ہستی اور انفرادیت بالکل کھو بیٹھے۔ اپنے عہدِ شباب کی تحریروں میں آزاد کے اسلوب وانشاء کی نقالی بلکہ جگالی کرتے ہیں۔اس دور کی اُن کی انشاء پردازی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ’’مقامات‘‘ نہیں لکھ رہے بلکہ ’’تذکرہ و غبارِ خاطر‘‘ کی تسویدِ نو فرما رہے ہیں۔وہ آزاد کے اسلوب وانشاء کی محض نقالی ہی نہیں کر رہے ہوتے بلکہ اپنے آپ کو سرتاپا ابوالکلام آزاد سمجھنے اور باور کرانے کی بھی بھرپور سعی کر رہے ہوتے ہیں۔اِس سلسلے میں اُن کی تحریروں کے حوالے طوالت کا باعث ہوں گے۔نمونے کے طور پر ایسی چند تحریروں کے عنوانات پیشِ خدمت ہیں...... قمارِ عشق، رفیقِ صبوحی، دبستانِ شبلی ،می باقی، ہم نفس وغیرہ وغیرہ۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے اُن کی کتاب ’’مقامات‘‘۔ اسی طرح مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی گہری چھاپ بھی اُن کی شخصیت پر موجود ہے۔اُن کے

اسلامی انقلاب کے تصور و فلسفہ نے بھی اُنہیں اپنی جانب مائل اور متوجہ کیا لیکن جلد اُن کے تصورِ انقلاب کی خامی اُن پر واضح ہوگئی کہ یہ تو ایک رومانوی تصور تھا اور اُس کے بعد اُنہوں نے نئی راہیں تلاش کر کے اپنے تصور اور طریقے پر اسلامی انقلاب پر کام شروع کر دیا، جس پر ہنوز اُن کا کام جاری ہے۔ بہرکیف مولانا مودودی کی شخصیت سے متاثر ہوئے تو اس چیز نے اُن کے اندر اسلامی انقلاب کا شعور اور ولولہ پیدا کیا۔ مولانا مودودی کے اسلوب نگارش کی پیروی تو اُن کے بس کی بات نہ تھی البتہ وہ اس کے قدر دان اور مداح ہمیشہ رہے۔ مولانا مودودی کے تصور و طریقِ تنظیم سے بھی اس قدر متاثر تھے کہ انہی کی تقلید و پیروی میں وہ موقعہ بموقعہ اپنے کاموں کی تنظیم اور حلقہ سازی کرتے رہے اور اول اول سنِ شعور سے پہلے ہی اُنہوں نے ایک عدد ''تحریک اسلامی'' کی بنیاد بھی رکھ دی۔ جس کی تشکیل و تاسیس کے موقع پر اُنہوں نے ویسا ہی خطاب کیا جیسا مولانا مودودی نے جماعتِ اسلامی کی تشکیل و تاسیس کے موقع پر کیا تھا۔ جاوید صاحب کا خطاب جو مجلہ الحمرا میں شائع ہوا تھا اور مولانا مودودی کا خطاب ، جو جماعت اسلامی کی رودادوں میں محفوظ ہے، دونوں کا آپ موازنہ کریں تو جاوید صاحب کا خطاب، مولانا مودودی کے خطاب کا چربہ نظر آئے گا۔ اگر آپ جاوید صاحب سے پوچھیں گے تو وہ اپنی ایسی بہت سی چیزوں کو حسن اتفاق یا حسنِ توارد سے تعبیر کرتے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جاوید صاحب کسی گہرے اعتراف و احساس کے تحت یا اپنے بعض مخصوص عزائم کی تکمیل کے لئے مولانا مودودی کا قرب و سرپرستی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور مولانا نے مرکز جماعت اچھرہ کی ایک عمارت کے ایک حصے میں انہیں رہنے اور کام کرنے کی اجازت دے دی۔ ایک زمانے میں مولانا مودودی کی شخصیت اُن کے ذہن پر اس قدر حاوی تھی کہ ابوالکلام ثانی کی طرح اُنہوں نے مودودی ثانی بننے کی بھی کوشش کی۔ چنانچہ اُن کے اندازِ گفتگو، طرزِ تکلم، نشست و برخاست، دفتر و لائبریری، لباس اور اُس کی تراش خراش، غرض ہر پہلو اور ہر زاویے سے اُنہوں نے مودودی ثانی بننے کی کوشش کی۔

مولانا آزاد اور مولانا مودودی سے متاثر ایک دنیا ہے لیکن ایسی متاثر کہ شخصیت کا ہو بہو چربہ، یہ کمال صرف جاوید صاحب کو ہی حاصل رہا ہے۔ اقبال و ابوالکلام اور مولانا مودودی کے بعد جس عبقری انسان نے جاوید صاحب کے دل و دماغ کو مفتوح و مسخر کیا وہ ہیں مولانا امین احسن

اصلاحی اوراس حوالے سے مولانا حمید الدین فراہیؒ۔ چنانچہ کسی قابل ذکر علمی کارہائے نمایاں کے بغیر محض پروپیگنڈا اور اشتہار وابلاغ کے بل بوتے پر اُنہوں نے اقبال وابوالکلام ومودودی کی طرح فراہی واصلاحی بننے کی بھی کوشش کی اور مولانا اصلاحی کواُستاذِ امام کہنااور لکھنا شروع کر دیا۔

ہمارے ہاں برصغیر پاک وہند میں ندوہ اور مدرستہ الاصلاح کا عربی زبان وادب کا جو ذوق ومعیار ہے اوراس کی ترقی وترویج میں اِنہیں جونمایاں مقام حاصل ہے یہاں پاکستان میں اس کی اجارہ داری جاوید صاحب نے حاصل کر رکھی ہے۔ اپنی عربی دانی کا ایک بھوت ہے جو ہر وقت ان پرسوار رہتا ہے اور دیگر تمام اہلِ علم کواس معاملے میں کج فہم وکم سواد سمجھتے ہیں۔ جبکہ موصوف کے اپنے مبلغ علم اورکل ذہانت کا عالم یہ ہے کہ وہ مولانا اصلاحی مرحوم کی تفسیر تدبرقرآن سے مختلف چیزیں سرقہ کرکے اورانہیں سوالات کی صورت میں مرتب کرکے وہ مولانا مودودیؒ پرسوالات کی بوچھاڑ کیے رکھتے اوراس طرح اپنی مسروقہ کاوشوں کے ذریعے بزعم خود مولانا مودودی کو زِچ کرنے اور اُن پر اپنی ذہانت و فطانت اور علمیت کی دھونس جمانے کی کوشش کرتے رہے۔

تلمیذ وتلمذ اصلاحی کی اصل حقیقت: کیا جاوید غامدی صاحب مولانا اصلاحی کے شاگرد تھے اور مولانا اُن کے اُستاذ؟ اس بحث کا یہ بھی ایک دلچسپ اور اہم موضوع ہے۔ غامدی صاحب نے اس چیز کوبھی مسلسل پروپیگنڈہ کے ذریعے بے حد مشتہر کیا ہے۔ گوئبلز کے اصول کے مطابق اتنا جھوٹ بولو، اتنا جھوٹ بولو کہ لوگ سچ باور کرنے لگیں۔ سواس ایک بے حقیقت اورخلافِ واقع بات کا جس تسلسل اورتواتر کے ساتھ اُنہوں نے اشتہار دیا اوراستاذِ امام، استاذِ امام کی رٹ لگائے رکھی کہ آج لوگ اس جھوٹ کوسچ سمجھنے لگے ہیں۔ چنانچہ زبان زدِ عام بات یہی ہے کہ جاوید صاحب مولانا اصلاحی کے شاگرد اور مولانا اُن کے استاذ ہیں لیکن اگرکوئی شخص تلمذ کی حقیقت اوراُستاد وشاگرد کے رشتہ کی معنویت سے واقف ہوتو اُن کو غامدی صاحب کے دعوۂ تلمیذ میں کوئی حقیت نظر نہیں آئے گی۔ ہم کسی جذبۂ حسد ورقابت کے تحت اُن کے اس دعوے کی تردید نہیں کررہے بلکہ ایک امرِ واقعی کو بیان کررہے ہیں۔ مولانا اصلاحی نے جماعتِ اسلامی سے علیحدگی کے بعد رحمن پورہ اچھرہ میں اپنے مکان پر تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع کیا، جہاں اُنہیں چند ذہین افراد میسر آگئے جن میں خالد مسعود صاحب سمیت بعض اورافراد وطلبہ بھی

تھے۔ خالد صاحب کے علاوہ ماجد خاور، محبوب سبحانی، محمود لودھی، عبداللہ غلام احمد، محمد سلیم کیانی، ڈاکٹر انوار بگوی اور صمدانی صاحب اُن کے نمایاں تلامذہ تھے۔ مولانا نے اُن کو پہلے عربی زبان پڑھائی اور سکھائی بعدازاں قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے۔

یہ سلسلہ برس ہابرس جاری رہا۔ اس کلاس کے آخری سال میں اِن سطور کا راقم بھی سال بھر شریک درس رہا۔ مولانا تین دن قرآن مجید کا درس دیتے تھے اور تین دن صحیح مسلم شریف پڑھاتے تھے تاکہ مولانا لاہور کی سکونت ترک کر کے اپنے رقبہ پر رحمن آباد منتقل ہو گئے۔ ہمارے علم ومشاہدے کی حد تک جاوید صاحب اس کلاس کے کبھی طالب علم نہیں رہے اس کے علاوہ مولانا کے قیام لاہور کے دوران مختلف گھروں اور مقامات پر افادۂ عام کے لئے دروسِ قرآن وحدیث کی محفلوں کا انعقاد ہوتا رہا اور اُن کی زندگی کے آخری ماہ وسال میں یہ محفلیں اور نشستیں ان کے اپنے گھر پر ڈیفنس میں منعقد ہوتی رہیں۔ جاوید صاحب اِن میں بھی خال خال اور اتفاقیہ نظر آتے تھے۔ کچھ ایسا بھی نہیں کہ جاوید صاحب کی تعلیم وتربیت کے لئے مولانا کے ہاں کوئی الگ سے انتظام ہوا اور کسی کو اُس کا علم نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ پھر وہ کب، کہاں اور کیسے مولانا کے شرفِ تلمذ سے مشرف ہوتے رہے؟ مولانا کے ہاں علم کے قدردانوں، ان کے محبین ومعتقدین اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے افراد آتے جاتے رہتے تھے۔ خاص طور پر مولانا کے اپنے تلامذہ اور جماعتِ اسلامی کے وابستگان اکثر حاضر ہوتے اور مولانا سے گھنٹوں استفادہ کرتے رہتے۔ جاوید صاحب بھی بطور تلمیذ نہیں بلکہ عام ملاقاتی کی حیثیت سے گاہے گاہے مولانا کے پاس حاضر ہوتے رہتے تھے۔ میل ملاپ کا تعلق برقرار رکھا اور بقدرِ استعداد استفادہ کرتے رہے۔ علاوہ ازیں ایک بہت بڑی تعداد اُن لوگوں کی بھی ہے جو زندگی میں نہ مولانا سے کبھی ملے نہ براہ راست استفادہ کا اُنہیں موقع ملا البتہ مولانا کے لٹریچر، افکار اور اُن کی تصنیفات سے اُنہوں نے بالواسطہ بھرپور استفادہ کیا۔ اگر جاوید غامدی صاحب اپنے تعلقات ومیل ملاپ کی نشستوں کے حوالے سے اور مذکورہ بالا بالواسطہ استفادہ کو اپنا شرف تلمذ قرار دیتے ہیں تو یہ مضحکہ خیز بات ہے اور علم وتحقیق کی دنیا اِسے تسلیم نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں پھر وہ تمام لوگ جنہوں نے مولانا کے افکار وتصنیفات سے بالواسطہ استفادہ کیا اُن کے اور جاوید صاحب کے درمیان وجہ امتیاز کیا ہوگی؟

سعادت منداور ہونہار تلامذہ اپنی ذہانت اور محنت کے بل بوتے پر اپنے اُستاد کے کام کو وسعت دیتے ہوئے آگے بڑھاتے ہیں اور اُن کی توجہ، محنت اور اخلاص کے نتیجے میں فکر کا یہ سفر اور ارتقا جاری رہتا ہے۔ جیسے مولانا فراہی کے فکری سفر کو اُن کے ہونہار شاگرد امین احسن نے جاری رکھا اور امین احسن کے افکار کو خالد مسعود نے تابندگی اور نکھار بخشا۔ جاوید صاحب کے ہاں ایسا کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ وہ اپنے بدوِ شعور سے بھی پہلے سے مختلف ریسرچ ادارے اور مراکز قائم کیے چلے آرہے ہیں لیکن ''اُستاذِ امام'' پر کچھ بھی کام یا فکر فراہی کی ترویج کے لئے کوئی منصوبہ یا ٹھوس کام اس حوالے سے اس ''تلمیذ رشید'' کا دامن خالی ہے۔ بات یہ ہے کہ کام کرنے اور دکانداری چمکانے میں بڑا فرق ہے۔ بات ہو رہی تھی غامدی صاحب کے تلمیذِ اصلاحی ہونے کی۔ تلمذ کے لئے بالواسطہ استفادہ کو اہل علم اور محققین تسلیم نہیں کرتے تا آنکہ براہ راست استفادہ کی کوئی شہادت موجود ہو۔ جب کہ غامدی صاحب کے بارے میں تعلیم و تعلم کے طریقے کے مطابق براہ راست استفادہ کی ایسی کوئی شہادت موجود نہیں ہے اور نہ فی الواقع ایسا ہے لہٰذا غامدی صاحب کا دعویٰ تلمذ محض سستی شہرت کے حصول اور اپنی ذات اور شخصیت کو علمی اعتبار سے وقیع بنانے کا ایک حربہ ہے۔ حقیقت سے اس کا دور دور تک تعلق نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ تلمیذ اصلاحی کا جامہ اگر کسی قد و قامت پر ٹھیک سے راست آتا ہے اور جس نے تلمذ کا حق ادا کیا تو وہ صرف ایک ہی شخصیت ہے جس کو علمی دنیا خالد مسعود کے نام سے جانتی ہے۔ جس طرح امین احسن اپنے استاد مولانا فراہی کی اس پکار پر کہ، آپ اخبار نویسی کرتے پھریں گے یا ہم سے قرآن پڑھیں گے؟ صحافت سمیت اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فراہی کے آستانے پر آپڑے اسی طرح خالد مسعود نے بھی اپنا سب کچھ اپنے اُستاد مولانا اصلاحی پر نچھاور کرتے ہوئے عمر بھر کے لیے اُن کے ہو کر رہ گئے۔ آج فکرِ فراہی کی اشاعت و ترویج اور مدرستہ الاصلاح کے فیضان کو عام کرنے میں اپنے استاد مولانا اصلاحی کے ساتھ ساتھ خالد مسعود مرحوم کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔

علم و حلم، شرافت و نجابت، سنجیدگی و متانت اور محنت و ذکاوت میں جاوید غامدی صاحب کو مرحوم خالد مسعود صاحب سے کوئی نسبت نہیں۔ تلمذ کی حقیقت کو مزید سمجھنے کے لئے قارئین اگر اُس پر مغز اور محققانہ بحث کو بھی ایک نظر دیکھ لیں جو ''تذکرہ سید مودودی'' جلد دوم میں ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی مرحوم نے مولانا حمید الدین فراہی اور ابوالاعلیٰ مودودی کے عنوان سے رقم کی ہے تو ہمارے مدعا و مقصد اور مافی الضمیر کو سمجھنے میں مزید سہولت رہے گی۔

دریچے

نقیب سحر

# پڑھتا جا شرماتا جا

پچھلے دنوں غالباً عطاء الحق قاسمی نے اپنے ایک کالم میں لکھا کہ ''ایک غلام نے اپنے عرب شیخ سے پوچھا کہ آپ اسرائیل کے ساتھ جنگ کب شروع کریں گے تو شیخ کا جواب تھا کہ جب وہ (یعنی اسرائیل) مسلمان ہوجائے گا'' جناب عطاء الحق قاسمی کے اس حقیقت پر مبنی لطیفے کو آگے بڑھاتے ہوئے ذیل میں کچھ مزید حقائق بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت مولانا دیوبندی مدظلہٗ العالی سے اُن کے ایک مقتدی نے پوچھا: حضرت اسرائیل کے خلاف اعلانِ جہاد کب ہوگا؟ جواب میں حضرت نے پورے تیقن کے ساتھ فرمایا کہ جب اسرائیل مسلمان ہوکر شرکت و بدعت کا ارتکاب کرے گا۔

۲۔ ایک عاشق رسول ﷺ نے حضرت مولانا بریلوی دامت برکاتہم سے پوچھا کہ ''لعنتی اسرائیل کے خلاف آپ کی مقدس جدوجہد کا آغاز کب ہوگا تو حضرت والاتبار نے فرمایا کہ جب وہ مسلمان ہوکر گستاخی رسول ﷺ جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرے گا۔''

۳۔ ایک سلفی کارکن نے اپنے سلفی عالم دین سے استفسار کیا کہ حضرت کیا کبھی وہ وقت بھی آئے گا جب آپ اسرائیل جیسے ناسور سے ارضِ فلسطین کو پاک کرنے کے لیے اعلان جہاد فرمائیں گے؟ حضرت نے جواب دیا کہ کیوں نہیں! جونہی اسرائیل مسلمان ہوکر سلفی عقائد سے انحراف کر کے مشرکانہ حرکتوں پر اُترے گا تو ہم بلا تاخیر اس کے خلاف اعلان جہاد کر کے دفاعِ اسلام ریلی نکال کر اسلام آباد کے ڈی چوک میں پہنچ جائیں گے۔

۴۔ انٹرنیشنل ختم نبوت کونسل کے ایک پرُ جوش کارکن نے چیئرمین انٹرنیشنل ختم نبوت سے اُن کا ہاتھ چومتے ہوئے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ" حضرت ہم کب اسرائیل ملعون کے خلاف دھرنے کا اہتمام کریں گے؟ تو حضرت والاتبار نے فرمایا: جب اسرائیل مسلمان ہوکر ختم نبوت کے خلاف سازش کرے گا تو ان شاء اللہ ہم دھرنوں کا ایک سلسلہ شروع کردیں گے جن کا سلسلہ اسلام آباد سے یروشلم تک پھیلا ہوگا۔ (بقیہ صفحہ نمبر:۴۹)

استفسارات مدیر

# علماءِ کرام سے رہنمائی کی درخواست

ہمیں اس دفعہ دو ایسے استفسارات موصول ہوئے ہیں جو نہایت نازک اور حساس نوعیت کے ہیں۔ اس لیے ہم نے خود ان کا جواب دینے کی بجائے انہیں علماء کرام کی خدمت میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اصحابِ علم وفضل سے درخواست ہے کہ وہ البرہان کے ذریعے جواب دے کر ہماری اور مستفسرین کی رہنمائی فرمائیں، فجزاھم اللہ خیرا.

## سوال ا: احادیث میں توہینِ رسالت

چنیوٹ سے البرہان کے قاری آفتاب عروج صاحب نے نوشہرو فیروز، سندھ کے ایک عالم دین مولانا عزیز اللہ بوھیو کا انہیں ارسال کردہ ایک اقتباس ہمیں بھیجا ہے جو نیٹ سے لیا گیا ہے اور درج ذیل ہے:

''توہینِ رسول کی خاطر لکھی گئی بدنام زمانہ کتاب ''رنگیلا رسول'' (نقلِ کفر، کفر نباشد) کو ایک سو سال پورا ہونے میں بس چند سال باقی ہیں۔ ہم نے جو یہ کتاب نیٹ پر پڑھی ہے تو اس کے اندر درج حدیثوں کے حوالہ جات بخاری اور مسلم کے ہیں۔ دوسرے سلیمان رشدی کی کتاب 'سٹینک ورسنر (شیطانی آیات) کو چھپے اندازاً پینتیس برس گزر چکے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں پابندی کے باوجود نیٹ پر آچکی ہیں۔ پہلی کتاب میں حدیث کی کتابوں بخاری، مسلم اور ترمذی کے حوالہ جات موجود ہیں۔ کتاب کے پبلشر راجپال کو غازی علم دین نے غیرت میں آ کر قتل کر دیا۔ مقدمہ کا کیس لڑنے والی کمیٹی نے یہ کیس قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کو دیا۔ انہوں نے کتاب 'رنگیلا رسول' پڑھ کر کمیٹی والوں کو کہا کہ علم دین کو کہیں کہ وہ جج کے سامنے بیان دے کہ جن حدیثوں کے حوالہ سے ہمارے رسول کی توہین کی گئی ہے وہ حدیثیں جھوٹی ہیں اور ہمارا رسول ایسا نہیں تھا۔ جواب میں کمیٹی والوں نے کہا کہ ہم علم دین سے حدیثوں کے بارے میں ایسا بیان نہیں دلوائیں گے۔ پھر جناح صاحب نے انہیں کہا کہ جب آپ کو بھی اپنا رسول ایسی حدیثوں کے مقابلے میں پیارا نہیں تو میں کیس کیسے لڑسکوں گا؟ یہ کہہ کر کیس واپس کر دیا۔ پھر آگے کیس چلا اور علم دین کو پھانسی ہوگئی۔

اس کے بعد خطیب بادشاہی مسجد لاہور پھانسی دینے والے جج کو ملا اور کہا کہ علم دین تو پھانسی چڑھ گیا اب تو اس کتاب پر پابندی لگاؤ۔ جج نے کہا یہ کام بہت آسان ہے۔ یہ لیں قلم و کاغذ اور آپ مجھے درخواست لکھیں کہ کتاب 'رنگیلا رسول' میں جو حدیثیں ہمارے رسول کی توہین میں لکھی گئی ہیں وہ جھوٹی ہیں، ہمارا رسول ایسا نہیں تھا، تو میں کتاب کو بین کر دیتا ہوں۔ خطیب صاحب نے فوراً ایسی درخواست لکھ کر دی اور جج صاحب نے کتاب پر پابندی لگا دی۔ اس کے فوراً بعد بادشاہی مسجد کی انتظامی کمیٹی نے خطیب صاحب کو نوکری سے نکال دیا۔ خطیب صاحب کی معزولی کو مہینہ سوا ہی گزرا تھا کہ نامعلوم قاتل رات کو خطیب صاحب کے گھر میں گھس کر اسے قتل کر گئے۔

یہ بھی میڈیا کی پکی خبر ہے کہ رشدی نے اقوام متحدہ کی عدالت میں درخواست دی ہے کہ مسلم امت کے جن مفتیوں نے مجھے قتل کرنے کا فتوی دیا ہے انہیں عدالت میں بلایا جائے۔ میں اپنی سب باتوں کے حوالہ جات ان کے ہاں موجود علم حدیث کی کتابوں سے دینے کو تیار ہوں۔ دنیا کی مسلم مذہبی پیشوائیت کو اس بات کی اطلاع دی گئی لیکن علم حدیث کی صفائی کی خاطر کوئی عالم پیش نہیں ہوا۔ یہ ساری تفصیل بھی انٹرنیٹ پر موجود ہے۔''

آفتاب عروج صاحب کہتے ہیں کہ اگر یہ حدیثیں اور تحریریں غلط ہیں تو ہمارے علماء کرام کو چاہیے کہ انہیں ان کتابوں سے خارج کر دیں اور ان سے اعلان برأت کر دیں۔ اور اگر یہ حدیثیں اور تحریریں خدانخواستہ صحیح ہیں تو ہمیں اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوزیشن واضح کرنی چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک پر عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں لہٰذا علماء کرام کا اس مسئلے میں خاموش رہنا جائز نہیں کیونکہ ان کی خاموشی کا مطلب تو یہی لیا جائے گا کہ ان کے پاس الزام لگانے والوں کا کوئی جواب نہیں۔

## سوال ۲: قرآن حکیم میں جنسی تعلیم

لاہور سے ایک خاتون لکھتی ہیں کہ مَیں اسلامیات کی ایک معلمہ ہوں۔ سکول کالج اور گھر میں عربی بھی پڑھی ہے۔ میں نے اپنی بچی کو قرآن حکیم ترجمے سے پڑھانا شروع کیا تو ہمسایوں نے اپنی بچیاں بچے بھی بھجوانے شروع کر دیے۔ بچے سارے نابالغ ہیں۔ اکثر چوتھی پانچویں یا چھٹی جماعت کے ہیں۔ ترجمہ پڑھانا شروع کیا اور اب سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۲

تک پہنچنے والے ہیں جس میں حیض کا ذکر آتا ہے ۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ ان نابالغ لڑکیوں لڑکوں کو کیسے بتاؤں کہ حیض کیا ہوتا ہے؟ آگے سورۂ یوسف میں عزیز مصر کی بیوی کے حضرت یوسف سے معاشقے کا ذکر ہے۔ پھر آگے حضرت مریم کے حمل، دردِ زہ اور بچے کی پیدائش کا ذکر بھی ہے اور پھر قوم لوط کی ہم جنس پرستی کا اور بچوں اور ملازموں کا خلوت کے اوقات میں میاں بیوی کے کمروں میں نہ جانے کا حکم بھی ہے ۔ گویا قرآن حکیم میں اچھی خاصی جنسی تعلیم موجود ہے سوال یہ ہے کہ نابالغ لڑکیوں اور لڑکوں کو یہ جنسی تعلیم کس طرح دی جائے؟

پھر حالیہ قصور شہر والے واقعے نے ہمیں یہ سبق بھی دیا ہے کہ ہمیں اپنے نابالغ بچیوں بچوں کو جنسی تعلیم ضرور دینی چاہیے تا کہ جو درندے ان کو ورغلاتے ہیں وہ ان کے دام تزویر میں آنے سے بچ سکیں۔ علاء کرام سے میرا سوال یہ بھی ہے کہ نابالغ بچیوں بچوں کو جنسی تعلیم دینا شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟

---

## بقیہ: پڑھتا جا شرماتا جا

۵۔ ایک محب وطن مسلم لیگی نے قائداعظم ثانی سے جلسے کے فوراً بعد سوال کیا کہ " عزت مآب ذرا فرمائیے کہ ہم بھارت کی جارحیت کے جواب میں حکومتی سطح پر جہاد کا اعلان کب کریں گے؟ قائداعظم ثانی نے فرمایا کہ پاک بھارت کرکٹ سیریز ختم ہونے دو۔اس کے بعد بھارت جونہی اسلام کو گلے لگا کر وہاں کی ہندو تہذیب وثقافت کے خلاف کوئی قدم اُٹھائے گا تو ہم پوری طاقت سے میدان میں آجائیں گے کیونکہ اقلیتوں کا تحفظ ہمارے منشور کا حصہ ہے۔

۶۔ تحریک انصاف کے ایک پرُ جوش کھلاڑی نے اپنے کپتان سے پوچھا کہ ہم شریف برادران کا پیچھا کب چھوڑیں گے؟ کپتان نے پورے یقین کے ساتھ جواب دیا: جب وہ ترقی اور میگا پراجیکٹس سے توبہ تائب ہو کر اور اپنی کرپشن کا پیسہ پاک کرنے کے لیے تحریک انصاف جوان کرلیں گے۔

۷۔ ایک تحریکی بھائی نے اپنے امیر محترم سے پوچھا کہ آپ کرپشن کے خاتمے کے لیے اپنا وقت ضائع کرنے سے کب اجتناب فرمائیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب سارے سیاستدان میری طرح کرپشن سے پاک ہوجائیں گے۔

مطالعۂ کتاب

حبیب احمد [۱]

# علامہ شبلی نعمانی کی 'علم الکلام اور الکلام'

[اس مطالعہ کے بعد آگلے شمارے میں ہم جامعہ کراچی کے معروف محقق سید خالد جامعی صاحب کا علامہ شبلی اور جدید علم الکلام پر نقد شائع کریں گے، ان شاء اللہ۔ مدیر]

## تعارف مصنف

برصغیر پاک وہند میں علم الکلام پر معرکۃ الآراء کتاب کے مصنف علامہ شبلی نعمانی ہیں۔ آپ ۱۸۵۷ء میں بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔

آپ نہ صرف ایک محقق، عالم، شاعر، استاد، ادیب اور مصنف تھے بلکہ ان صفات کے ساتھ ساتھ ''عالم گر'' بھی تھے۔ علامہ شبلی نعمانی اردو زبان کے ان چار ادیبوں میں سے ایک ہیں جنہیں اردو کے ارکانِ اربعہ کہا جاتا ہے۔ علامہ کے اسلوب نگارش میں سلاست، شگفتگی اور شکوہ کا ایسا خوش گوار امتزاج پایا جاتا ہے کہ کسی دوسری جگہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

آپ نے کئی کتابیں لکھیں جن ان میں سے نمایاں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ تاہم جس کتاب نے آپ کو عظیم مصنفین کی فہرست میں لاکر کھڑا کیا وہ ''علم الکلام اور الکلام'' ہے۔ یہ دراصل دو کتابوں الکلام اور علم الکلام کا مجموعہ ہے جس میں علم کلام کی تاریخ، متکلمین اسلام کے تذکرے اور جدید علم کلام پر بحث شامل ہے۔ ہماری طالب علمانہ رائے میں اردو لٹریچر میں اس موضوع پر اس سے بہتر شاید ہی کوئی کتاب ہو۔

علامہ شبلی نے ۱۹۱۴ء میں شبلی منزل شہر اعظم گڑھ میں وفات پائی۔

## کتاب کا تعارف

کتاب 'علم الکلام اور الکلام' نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی نے شائع کی ہے اور ۳۹۲

[۱] پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف لاہور

صفحات پر مشتمل ہے۔

## علم الکلام (حصہ اوّل) کا جائزہ

اس میں علم کلام کی ابتداء اور اس کی عہد بعہد وسعت، ترقی اور تغیرات کی تفصیلی تاریخ اور علم الکلام کے تمام شعبوں کی تقریظ و تنقید ہے۔

علم الکلام کی وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا تعلق مذہب سے ہے اور دنیا میں عموماً ہر قوم کو مذہب ہر چیز سے زیادہ عزیز رہا ہے لیکن مسلمانوں کو اور بھی زیادہ عزیز ہونا چاہیے کیونکہ مسلمان کسی نسل، خاندان، ملک اور قوم کا نام نہیں بلکہ مسلمانوں کی قومیت کا عنصر یا خمیر صرف مذہب ہے۔ اسلام آفاقی مذہب ہے اور یہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے مینارۂ نور ہے۔ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور کے بعد یہ پھیلنا شروع ہوگیا۔ جیسے جیسے اس کی وسعت ہوتی گئی اسی قدر اس کے خلاف محاذ کھڑے ہوتے گئے۔ اسی لیے مسلمانوں نے مذہب کو ہر قسم کے خطروں سے بچانے کے لیے ہر زمانے میں حیرت انگیز کوششیں کیں۔

سلطنت عباسیہ میں جب یونان اور فارس کے علمی ذخیرے عربی میں منتقل ہوئے تو اسلام کو بڑے خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دوران علمائے اسلام نے نہایت شوق سے فلسفہ سیکھا اور مخالفین کو ان کے معیار پر لاجواب کیا۔

اسی تسلسل میں علامہ شبلی کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ علم کلام کو قدیم اصول اور موجودہ مذاق کے مطابق مرتب کیا جائے لیکن اس کے لیے علم کلام کی مفصل تاریخ لکھنی ضروری تھی۔ اس سے ایک طرف تو اسلامی لٹریچر کی بڑی کمی پوری ہوجاتی اور دوسری طرف کتاب تاریخ کے زمرے میں آجاتی۔

### علم الکلام کی اقسام

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خاص اسلامی فرقوں کے باہمی جھگڑوں سے پیدا ہوا۔ دوسرا وہ علم کلام ہے جو فلسفہ کے مقابلہ کے لیے ایجاد ہوا۔ امام غزالی کے زمانہ تک دونوں الگ الگ رہے۔ امام صاحب نے ان کے اختلاط کی بنیاد ڈالی اور امام رازی نے اسے ترقی دی۔ علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ وہ دوسری قسم کی تاریخ لکھ رہے ہیں اور اس کے نمونہ پر نیا علم کلام

مرتب کرنا ان کے پیش نظر ہے۔

## اختلاف عقائد کی ابتداء

اختلاف عقائد کی ابتداء اس وقت شروع ہوئی جب اسلام عرب سے عجم تک پھیل گیا۔علامہ شبلیؒ نے اس کے چھ اسباب بتائے ہیں:

۱۔ عجمی قوم کا مذاق تھا کہ بال کی کھال اتارتے تھے۔

۲۔ جو قومیں اسلام لائیں ان کے قدیم مذاہب میں اعتقاد باری تعالیٰ وغیرہ کے متعلق مخصوص خیالات موجود تھے۔

۳۔ طبائع انسانی کی فطرت کا مختلف ہونا۔

۴۔ ایک سادہ سلیم الطبع شخص جب خدا کے متعلق ارد گرد کو سامنے رکھ کر نظریہ قائم کرے۔

۵۔ عقل ونقل کی بحث۔ ۶۔ علماء کے طریق معاشرت کا اختلاف۔

## عقائد میں تغیر

عقائد میں تغیر درجہ بدرجہ ہوا اور تقریباً چھ درجات طے کر کے پہنچا۔اس کے بعد علامہ شبلیؒ کہتے ہیں کہ سیاسی تناعات اختلاف عقائد کا سبب بنے۔ملکی ضرورت سے عقائد کے اختلافات کا آغاز ہوا۔خوارج اور معتزلہ بھی اختلافات کا سبب بنے۔

## اختلاف کے اصول

علامہ شبلیؒ کہتے ہیں کہ علامہ شہرستانی نے اختلاف کے چار اصول قرار دیے ہیں:

۱۔ صفاتِ الٰہی کا اثبات ونفی ۲۔ قدر وجبر

۳۔ عقائد واعمال ۴۔ عقل ونقل

شبلیؒ نے انہی اصولوں کی بنیاد پر اختلاف عقائد پر بحث کی۔ وہ کہتے ہیں کہ اختلاف ہو جانا تعجب نہیں لیکن جب اختلاف میں غلو اور شدت آ جائے تو معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔عقائد میں اختلاف کے سبب ایک فرقہ دوسرے کو خارج از اسلام قرار دینے لگا جو کہ ٹھیک نہیں تھا۔

## علم الکلام کی وجہ تسمیہ

علامہ شہرستانی نے الملل والنحل میں لکھا ہے: ''کہ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ مسائل عقائد میں جس مسئلہ پر بڑے مصر رہے وہ کلام الٰہی کا مسئلہ تھا یہ اس وجہ سے کہ چونکہ یہ علم فلسفہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوا اس لیے فلسفہ کی ایک شاخ (یعنی منطق) کا جو نام تھا وہی اس فن کا بھی نام پڑ گیا۔

## علم الکلام عقلی اور اس کی تاریخ

علامہ شبلی نے کہا کہ جس علم کلام کی ہم تاریخ لکھ رہے ہیں وہ علم کلام عقلی ہے جو فلسفہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوا۔

## دورِ اوّل

انہوں نے اس علم کلام عقلی کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور تین ادوار پر محیط اس کلام کی ساری جزئیات پر ماہرانہ تبصرہ کیا۔ وہ اس کے موجد اور تدوین کرنے والے علماء اور حکمرانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

## موجد اوّل

اس علم الکلام عقلی کا موجد اوّل خلیفہ مہدی ہے جس نے علماء اسلام کو حکم دیا کہ اسلام پر جو شبہات وارد کیے جاتے ہیں ان کے جواب میں کتابیں لکھیں۔ اس پر جن لوگوں نے کتابیں لکھیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ **ابوالہذیل علاف:** یہ ۱۳۱ھ میں پیدا اور ۲۳۵ھ میں فوت ہوا۔ اس نے ۶۰ کے قریب کتب لکھیں جو کہ ناپید ہیں لیکن اس کے مناظرے اور تقریریں ابن خلکان کے ہاں اور الملل والنحل میں مذکور ہیں۔

۲۔ **ہشام بن الحکم:** یہ کوفہ کا رہنے والا مشہور متکلم تھا۔ یحییٰ برمکی کی مجالس علمیہ کا افسر اور علوم عقلیہ کا ماہر تھا۔ اس کی اہم تالیفات میں الرد علی الزنادقہ، الرد علی اصحاب الاثنین، الرد علی اصحاب الطبائع ہیں جو اب ناپید ہیں۔

**۳۔ ابراہیم بن یسار نظام:** یہ ابوالہذیل کا شاگرد تھا یہ جزء لایتجزی کا منکر تھا اور عرض کے جوہر ہونے کا قائل تھا۔ اس نے فلسفہ میں بہت کمال پیدا کیا۔ اس نے مجوسیوں اور فلسفیوں کے مذہب کو خلط ملط کر دیا۔

## حکمرانوں کا کردار

ان میں فہرست خلیفہ مہدی ہے۔ اس کے بعد ہارون الرشید نے اس طرف توجہ دی اور ترویج و اشاعت علوم میں حصہ لیا۔ مامون الرشید نے علم کی بہت خدمت کی۔ اس نے علم الکلام میں علمی مناظروں کے لیے ہفتہ میں ایک خاص دن (منگل) مقرر دیا تھا جبہر فرقہ کے لوگ آستانۂ خلافت پر جمع ہوتے تھے۔

جب واثق باللہ مسند نشین ہوا تو مامون کی علمی مجلسیں پھر تازہ ہو گئیں۔ یہ غور وفکر کو پسند کرتا۔ حکماء اور اطباء قدیم وجدید کی معلومات وخیالات سے واقف ہونے کا بہت شائق تھا چنانچہ اس کی مجلس میں طبعیات اور الہیات کے اکثر چرچے رہتے تھے۔

## چوتھی صدی کے متکلمین

اس وقت تک علم الکلام پر مستقل تصنیفات مرتب کی جا رہی تھیں لیکن قرآن کی تفسیر اس اصول پر نہیں لکھی گئی تھی۔ اس ضرورت کو اس صدی کے جن علماء نے پورا کیا وہ یہ ہیں:

۱۔ ابو مسلم اصفہانی: اس کی تفسیر جامع التاویل لمحکم التنزیل ۱۳ جلدوں میں ہے۔

۲۔ ابو بکر اصم: امام رازی کی تفسیر سے اقوال نقل کرتے ہیں۔

۳۔ ابوالقاسم بلخی: اس کی تفسیر ۱۲ جلدوں میں ہے۔

۴۔ قفال الکبیر: یہ حدث، تفسیر اور فقہ کے امام تھے۔ انہوں نے اصول عقلیہ کے مطابق تفسیر لکھی۔

## پانچویں صدی کے متکلمین

اس صدی میں مختلف اسباب کی بناء پر علم کلام پر زوال شروع ہو گیا تھا۔ تاہم اس صدی میں بعض متکلمین بڑے مرتبہ کے ہوئے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابوالحسین محمد بن علی البصری: یہ بڑے رتبہ کے مالک تھے۔ اپنے وقت کے امام تھے۔

۲۔ ابواسحاق الاسفرائنی: شافعیوں میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔محدثین کے امام تھے۔

۳۔ قاضی عبدالجبار معتزلی۔

۴۔ ابن حزم ظاہری: اس صدی میں حدیث اور کلام نے ایک بزم میں جگہ پائی جو علامہ ابن حزم کی بدولت ہوا۔آپ ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔تصانیف کی تعداد ۴۰۰ کے قریب ہے۔ابن حزم نے علم کلام میں دو کتابیں لکھیں: ایک میں تورات اور انجیل کی تحریف کا بیان ہے اور دوسری کا نام الفصل فی الملل والنحل ہے، اس میں دہریہ، فلاسفہ، مجوس، نصاری اور یہود کے اصولِ عقائد بیان کیے گئے ہیں اور ان کا رد کیا گیا ہے۔تمام اسلامی فرقوں کے عقائد بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔

دورِ دوم

علامہ شبلی نے اس دور کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: پہلا دور امام اشعری کا اور دوسرا دور امام غزالی سے شروع ہوتا ہے۔

امام ابوالحسن اشعری بصرہ کے نامور متکلم تھے۔ابتداء میں معتزلی تھے، پھر توبہ کی اور ان کے رد میں کتابیں لکھیں۔’مقالات الاسلامیین‘ نہایت عمدہ کتاب ہے۔امام اشعری سے پہلے دو فریق تھے: اربابِ نقل وعقل۔امام نے بیچ کا راستہ اختیار کرنا چاہا اور انہوں نے اپنے طریقہ پر عقائد کی تشریح کی۔اس کے اصول عشرہ میں پھر چار ارکان کا ذکر کیا۔رکن اوّل: ذاتِ الٰہی۔رکن دوم: صفاتِ الٰہی۔رکن سوم: افعالِ الٰہی۔رکن چہارم: سمعیات

اشعری علم کلام کا یہ پہلا دور تھا۔دوسرا دور امام غزالی سے شروع ہوتا ہے جنہوں نے علم کلام کا قالب بدل دیا۔

**امام غزالیؒ:** آپ نے اشاعرہ کی حمایت میں مسائل عقائد کی الگ تشریح کی اور اس مذاق پر کتب لکھیں: جواہر القرآن، المنقذ من الضلال، معارج القدس، مشکوۃ الانوار۔

**عبدالکریم شہرستانی:** آپ ۴۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔آپ نے علم کلام میں کئی کتابیں لکھیں لیکن شہرت الملل والنحل کی وجہ سے ہے۔اس کے دو حصے ہیں پہلا حصہ تمام اسلامی فرقوں کے پیدا ہونے اور ترقی پانے پر ہے۔دوسرا حصہ تمام مذاہب کی تاریخ پر ہے۔حکمائے یونان کا

بالخصوص تذکرہ ہے۔

**امام رازی:** شہرستانی کے بعد علم کلام کا تاج امام فخر الدین رازی کے سر پر رکھا گیا۔ علم کلام میں ان کے بڑے کارناموں میں سے یہ ہے کہ انہوں نے فلسفہ کا رد کیا۔ ان کے چھ کارنامے علامہ شبلی نے ذکر کیے ہیں:

۱۔ فلسفہ کا رد ۲۔ کلام کو فلسفہ کے انداز پہ لکھا

۳۔ فلسفہ میں نہایت قیمتی کتب کا اضافہ کیا۔ مطالب عالیہ، نہایۃ العقول، اربعین فی اصول الدین، تعمیر الفلاسفہ، عصمۃ الانبیاء وغیرہ۔

۴۔ علم کلام کی بنیاد اشاعرہ کے عقائد پر قائم کی۔

۵۔ اصل حقیقت کے اظہار کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے۔

۶۔ قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔

**علامہ آمدی:** آپ ۵۵۱ھ میں پیدا ہوئے، کثیر التصانیف ہیں جن میں سے دقائق الحقائق، رموز الکنوز، ابکار الافکار زیادہ مشہور ہیں۔

**دورِ سوم**

**ابن رشد:** انہوں نے فلسفہ یونان کی توضیح وتشریح کی اور امام غزالی کا رد کیا۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ یورپ میں ایک مدت تک یہ جملہ ضرب المثل رہا کہ انسان اصول فطرت کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک ارسطو کی تصنیفات کو نہ سمجھے اور ارسطو کی تصنیفات اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک ابن رشد کی تصانیف کو نہ سمجھے۔

**ابن تیمیہ:** ان کی ذہانت، قوت حافظ تبحر علمی اور وسعت نظر ما فوق الفطرت تھی۔ ۵۰۰ سے زائد کتب تصنیف کیں۔ علم کلام میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ ارسطو کے فلسفے کے خلاف الرد علی المنطقیین لکھی۔

**شاہ ولی اللہ:** آپ ۱۱۱۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ بہت نام کمایا۔ علم کلام میں کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں انہوں نے شریعت کے اسرار و رموز بیان

کیے ہیں جو در حقیقت علم کلام کی روح ہے۔

اس کے بعد علامہ شبلی نے حکمائے اسلام کا بیان کیا ہے۔

## حکمائے اسلام

ان سے میں امام غزالی اور ابن رشد مقدمہ الجیش میں ہیں۔ان کے بعد علامہ شبلی نے جن حکماء کا ذکر کیا ہے وہ ہیں: ا۔ یعقوب کندی ۲۔ فارابی ۳۔ ابن مسکویہ اور دیگر۔انہوں نے عقائد اسلامیہ کی تشریح کی۔اور اپنی تصانیف میں وجود باری تعالیٰ کا ثبوت، روح، نبوت، وحی کے متعلق مسائل کو بیان کیا ہے۔

آخر میں علامہ شبلی نے علم کلام پر اجمالی نظر ڈالتے ہوئے لکھا کہ یہ یونان سے ماخوذ نہیں۔اور اس کی بدولت یونانیوں کی غلامی سے نجات ملی۔انہوں نے علم کلام کے مسائل پر بحث کی، اسلامی عقائد کا اثبات کیا، فلاسفہ، ملاحدہ اور دیگر مذاہب کا رد کیا اور ضمناً تاویل کے متعلق نظریات اور بحث کا خلاصہ پیش کیا۔

## الکلام (حصہ دوم)

یعنی علم کلام جدید، جس میں اسلام کے تمام عقائد کو فلسفۂ حال کے مقابلہ میں نہایت بسیط انداز میں اور خوبی کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

## علم کلام جدید

عقائد میں اصل الاصول دو ہیں: وجود باری تعالیٰ اور نبوت۔ اس حصہ میں انہی دو اصولوں سے بحث ہے، باقی مباحث تبعاً اور ضمناً مذکور ہیں۔ یہ وہ علم کلام ہے جس کو علامہ شبلی نے مدون کیا جو فلسفہ کے مقابل ہے۔ جب کہ جدید علماء نے درسی کتب لکھیں اور اپنے خیالات دوسری کتب میں ظاہر کیے۔ قدیم علم کلام میں صرف عقائد پر بحث ہوتی تھی جبکہ آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے۔قدیم طریقہ مشکل تھا۔ جدید علم کلام کے ترتیب دینے میں انہی امور کی رعایت ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے۔

## جدید علم کلام کے اہم مرتبین

ا۔ ابو مسلم اصفہانی ۲۔ فقال ۳۔ ابن حزم ۴۔ راغب اصفہانی ۵۔ ابن رشد ۶۔ امام

رازی ۷۔شاہ ولی اللہ

## علوم جدیدہ اور مذہب

اگر یہ اعتراض ہو کہ علوم جدیدہ اور سائنس نے مذہب پر یقین کو متزلزل کر دیا ہے تو یہ ٹھیک نہیں۔ اسلام کو علوم جدیدہ اور سائنس سے کوئی خطرہ نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے۔اور مذہب اسلام ایک فطری مذہب ہے۔

## عقل اور مذہب

مذہب میں عقل کو دخل نہ دو۔ یہ سارے مذاہب میں مشترک ہے لیکن مذہب اسلام تدبر وتفکر کی بار بار تاکید کرتا ہے۔اسلام کے علاوہ کسی مذہب نے دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عقل سے ثابت ہے۔علامہ شبلی نے اس کے بعد تمام مسائل میں دیگر مذاہب اور فلاسفہ کا رد کیا ہے اور مذہب اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔وہ مسائل یہ ہیں:

۱۔ وجود باری تعالیٰ۔ ملاحدہ کے اعتراضات کے جوابات۔۲۔توحید ۳۔نبوت ۴۔خرق عادت کی اصلی حقیقت ۵۔نبوت کی حقیقت ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ۶۔عقائد، تفصیلی عقائد ذات باری تعالیٰ۔

نبوت، جزا سزا، عبادت، خودکشی، حقوق انسانی، عورتوں کے حقوق، رومن لاد، وراثت وغیرہ۔سب کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔

## تاویل

اس کے بعد تاویل پر بحث کیہے۔ پہلے امام غزالی کی رائے بیان کی، پھر اس کی پانچ اقسام بیان کیں، خلاف عقل امور پر بحث کی اور وحی والہام کا تذکرہ کیا۔

آخر میں اسلام میں تمدنی ترقی کے اصول بیان کیے اور دنیا کا مرتبہ واضح کیا۔ضمیمہ نبوت پر بحث کے بارے میں ہے۔اور آخر میں امام رازی کی مطالبِ عالیہ کی عربی عبارت اور اس کا ترجمہ دیا ہے۔